بیادِ امامِ اہلِ سنّت مجدّدِ ملّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدّث بریلوی قدس سرّہ العزیز

سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء جلد ۹ شمارہ ۱ (۳۱) ذی القعدہ ۱۴۲۳ھ تا محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

'' میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولٰینا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم و مغفور سے لیا ہے۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کا ذکر آجاتا تو مولٰینا کاندھلوی فرمایا کرتے، مولوی صاحب! مولانا احمد رضا خاں کی بخشش تو ان ہی فتووں کے سبب ہوجائے گی۔ اللہ تعالٰی فرمائے گا۔ ''احمد رضا خان! تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا۔ کیا تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول کی ہے تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگادیا۔ جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کردی۔''

(مولٰینا کوثر نیازی ''امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت'' صفحہ ۲۰)

تحریک فکر رضا

۱۶۷، ڈم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

TEHREEK-E-FIKR-E-REZA
تحریک فکر رضا

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی

جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء ٥ جلد ۹ شمارہ ۱ (۳۱) ذی القعدہ ۱۴۲۳ھ تا محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

مدیر : محمد زبیر قادری

منیجر : محمد اسحٰق برکاتی

Distributed in Pakistan By :

Markazi Majlis-e-Riza

P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,

Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :

SHEHZAD ALI

P.O. Box: 51, Lurnea 2170,

NSW, AUSTRALIA

Correspondence Address: **رابطہ کا پتہ:**

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

Office Address: آفس کا پتہ:

95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India

فون: 2343 9863 فیکس: 2388 9786

Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza..net

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400008 سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے شائع کیا۔

متوسلینِ رضا

oooooooooooooooooooooooooooo

''مجھے فتاویٰ رضویہ کی گیارہویں جلد دیکھنے کا موقع ملا جس میں بے شمار مسائل کا حل قرآن وسنت اور اقوالِ ائمہ کی روشنی میں دیئے گئے ہیں۔ اسی جلد میں وصیت و وراثت سے متعلق ایک فتویٰ کا جواب جو چھیاسی صفحات پر مشتمل ہے پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے اہم اور نہایت مفصل فتوے پر مشتمل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ عدالتِ عالیہ بہاولپور، پاکستان کے ایک فاضل جج محمد دین صاحب نے بہت سے علماء وقت کے فتووں سے مطمئن نہ ہوکر حاصل کیا اور پھر اسی کے مطابق زیر سماعت مقدمہ کا فیصلہ کیا۔''

(**جسٹس قدیر الدین صاحب**، بہاولپور، پاکستان بحوالہ معارف رضا، کراچی ص ۷۵، شمارہ ۱۹۸۵ء)

''فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ فاضل مفتی نے اپنے فتووں میں حدیثِ نبوی کا استعمال بکثرت کیا ہے اور ایسا کر کے انہوں نے فقہ حنفی کے بارے میں اس اعتراض کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں حدیثِ نبوی سے کم استفادہ کیا جاتا ہے۔''

(**پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل صاحب**، بین الاقوامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، پاکستان)

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

اداریہ

بالآخر عراق بھی امریکی شیطان کے شکنجہ سے نہیں بچ سکا۔ اور صدام حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ امریکہ کی چودھراہٹ کے سامنے دنیا بھر کے جنگ مخالف مظاہرے سب بے اثر ثابت ہوئے۔ پہلے سے طے شدہ جو پروگرام تھا ویسا ہی ہوا۔ عراقی صدر صدام حسین بھی اُسامہ بن لادن کی طرح لاپتہ ہوگئے۔ یہ بھی ایک عجیب کہانی ہے کہ جس کی سرکوبی کے لیے سارا کھڑاگ پھیلایا جاتا ہے وہی شخص ہاتھ نہیں آتا۔ آخر ایسا کیوں......؟ کہیں اس میں بھی تو امریکہ کا ہاتھ نہیں؟

عراقی حکومت کے خاتمے کے بعد دیکھئے اب کس کی باری آتی ہے۔...... مگر باری آئے یا نہ آئے شیطان امریکہ کا اسلام دشمن منصوبہ تو ہنوز جاری ہے۔ اس کے لیے وہ کبھی ہتھیاروں کا محتاج نہیں رہا۔ موجودہ دور کا تازہ ہوّا ''دہشت گردی'' کو ایسے زہریلے ناگ سے تشبیہ دی جارہی ہے جس کے زہریلے پھن کو کچلنا اُس کے لیے ازحد ضروری ہوگیا ہے۔ آج دنیا میں ہم مسلمانوں کو ایسی پوزیشن میں لاکر کھڑا کردیا گیا ہے کہ اس بہانے ہمیں مسلسل ختم کرنے کا سلسلہ جاری رہے۔ دہشت گردی کسے کہتے ہیں اور دہشت گرد کون ہے؟ یہ تو ہر دانا و بینا کی سمجھ میں آچکا ہے۔ افغانستان اور عراق میں مرنے والے ہزاروں بے گناہ مسلمان کیا دہشت گرد تھے؟ فلسطین میں مرنے والے خواتین و بچے کس طرح دہشت گرد ہیں؟

ادھر ہندوستان میں بھی فاشسٹ جماعتیں مسلمانوں کی ناک میں دم کیے ہوئے ہے۔ مختلف حیلوں بہانوں سے فسادات برپا کرنا اور مسلمانوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو پامال کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگیا ہے۔ ان کے خلاف آواز اُٹھانے والے کو فوراً ہی غدارِ وطن کا خطاب مل جاتا ہے۔

اس وقت دنیا بھر میں حالات اس قدر پیچیدہ اور پریشان کُن ہیں کہ عوام کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں......۔ پوری دنیا کے معاشی نظام پر امریکہ مکمل طور پر قابض ہوگیا ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کے تمام ممالک کے غریب اور متوسط عوام حصولِ معاش کے لیے بے حد پریشان ہیں۔ جدید ترقی نے الگ روزگار میں بے حد کمی پیدا کردی ہے۔ جبکہ اسلام نے سائنس کو ہمیشہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کو ترجیح دی۔ مگر مادّیت پرستی کے فروغ کے اس زمانے میں انسان کی کوئی قدر نہ رہی۔ اب مشینوں پر انحصار بڑھتا جارہا ہے۔ نتیجے کے طور پر بے روزگاری کے عفریت نے سر اُٹھایا ہے۔ بے روزگاری یعنی فاقہ کشی۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ فقر کفر تک پہنچا دیتا ہے۔...... یہی وجہ ہے کہ آج

لوگ دین سے قریب نہیں آ رہے ہیں۔ ذہنی خلفشار کی وجہ سے منشیات کا استعمال اور خودکشی کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ مادّیت کی ضد روحانیت کی اہمیت کو دلوں سے تقریباً نکالا جاچکا ہے۔ اس مقصد کے لیے برسوں سے نام نہاد اسلامی فرقوں کے ذریعے کام لیا جارہا ہے۔ ہمیں مادّیت پرستی کے جال میں اس قدر الجھا دیا گیا ہے کہ ہماری سوچنے سمجھنے کی قوت بھی مفلوج ہوچکی ہے۔ بس کسی طرح ہم زندگی کی گاڑی کو کھینچ رہے ہیں۔ بلاشبہ حضور ﷺ نے صحیح فرمایا تھا کہ قربِ قیامت میں ایمان کو بچانا ہتھیلی پر انگارہ رکھنے کے مترادف ہوگا۔ ...... لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ اگر ہم یہ سوچ کر بیٹھے رہ گئے کہ یہ سب قیامت کی نشانیاں ہیں تو وقت سے پہلے ہی ہم پر قیامت ٹوٹ پڑے گی (آج دنیا بھر میں جیسا کہ ہو رہا ہے)۔ ......
کیا ایسے حالات میں ہم اپنا دامن جھاڑ کر اپنی ذمہ داریوں سے بچ سکتے ہیں؟ ...... یقیناً قطعاً نہیں۔

آیئے آپ کو بتاؤں کہ ہم کیا اقدام کریں کہ دنیا و آخرت میں کامیابی کے ضامن ہوجائیں۔ اس کی بنیادی شرط ہے تحفظِ ایمان۔ اگر آج ہم اپنے ایمان کو بچانے میں، ایمان کے تحفظ میں کامیاب ہوگئے تو یقیناً دونوں جہاں میں کامیابی ہے۔ ہمارے تمام مسائل و پریشانیوں کا حل ایمان کی سلامتی میں مضمر ہے۔ چودھویں صدی کے مجدّد امام احمد رضا کی کاوشوں کا نچوڑ ایمان کا تحفظ ہی تھا۔ آپ نے ہمیشہ عوام اہل سنّت کے ایمان کی سلامتی کے لیے کوششیں کی۔ ایمان کے لٹیروں سے بچنے کی ہدایت دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ؎

سُونا بن ہے سونا پاس ہے سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

......سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

طاغوتی طاقتوں، بدمذہب جماعتوں اور سب سے بڑھ کر نفس کی شرارتوں کی وجہ سے ہمارا ایمان اس قدر کمزور ہوگیا ہے کہ آج ہم مسلمان کہلانے کے حق دار بھی نہیں رہے۔ ہم نے فرائض کو چھوڑا، واجبات و سُنّتوں سے منہ موڑا۔ حسنِ اخلاق، دیانت داری، ایفائے عہد، صدق، اخلاص، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، والدین/ اولاد، پڑوسیوں کے حقوق وغیرہ تمام مثبت اقدار سے ناطہ توڑا' تو ہم مسلمان کب رہے؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم اپنی ذاتی غرض کے وقت فوراً دین کی مدد لینے دوڑتے ہیں مگر دین پر عمل پیرا ہونا سب سے مشکل کام ہے۔ ہم نیاز و فاتحہ کا کھانا کھانے کے لیے تو سُنّی ہیں مگر فرائض و سُنّتوں پر عمل کرنے کے لیے کہا جائے یا سُنّیت کی خدمت کے لیے کہا جائے تو وقت ہی نہیں۔

کیا یہ سب ایمان کی کمزوریاں نہیں کہ ہم آج اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی اقلیتوں سے بدتر حالت میں جی رہے ہیں۔ کیا ہم اب بھی بیدار نہیں ہوں گے......؟

طاغوتی طاقتوں کے بھیڑیئے منافقین ہمارے ایمان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ جن سے بچتے ہوئے اپنے اور دوسروں کے ایمان کی سلامتی کے لیے کوشاں رہنا کس قدر ضروری ہے، اس کا اندازہ ہر کوئی بخوبی لگا سکتا ہے۔ ان کا جدید ہتھیار ٹی وی ہمارے معاشرے کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ اور ہم جانتے بوجھتے ہوئے مسلسل اس کے نشے میں گرفتار ہیں۔ شیطان کے ان حربوں سے بچنا کوئی اس قدر مشکل کام نہیں۔ آپ کوشش ہی نہیں کریں گے تو پھر کس طرح تمام مسائل حل ہوں گے؟

اس کے علاوہ ہم بہت جلد باطل کے پھیلائے پروپیگنڈے کا شکار ہوکر آپس میں ہی دست و گریباں ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں تنقید کو تنقیص نہ سمجھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اور حسد اس بات کا ہو کہ ہم اپنے ہم جماعتوں سے بہتر دین کی خدمت کریں گے۔ جو کہ جائز ہے۔ اور ہر معاملہ میں ہمارا صرف اور صرف ایک ہی مقصد پیش نظر ہونا چاہیے کہ کس طرح مسلک اہل سنت کی اشاعت ہو اور مسلمانوں کا ایمان محفوظ رہے۔

اللہ کریم ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مسلکِ حقہ پر قائم و دائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر ہو۔ آمین

محمد زبیر قادری

اخبار رضا

☆ ''موت سے چہلم تک''، ''پیغامِ شادی سے ولیمہ تک'' بافاداتِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مولانا غلام غوث قادری (ایم اے، پی ایچ ڈی) نے مرتب کرکے دائرۂ احبابِ اہلسنّت، ڈورنڈہ، رانچی ۔۸۳۴۰۰۲ (جھارکھنڈ) سے شائع کی اور مفت تقسیم کی۔ ☆ ''رہبر کامل'' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی مختصر سوانح، ''حقیقت سے چشم پوشی'' از مولانا غلام غوث قادری (ایم اے، پی ایچ ڈی) دائرۂ احبابِ اہلسنّت، ڈورنڈہ، رانچی ۔۸۳۴۰۰۲ (جھارکھنڈ) نے شائع کرکے مفت تقسیم کی۔ ☆ ''اسلامی ہیرے یعنی سُنّی کوئز'' (سوالاً جواباً اسلامی معلومات) مولانا سراج القادری بہرائچی نے مرتب کرکے الدار السنّیہ، ۹۵، اُنڈریا اسٹریٹ (چوکی محلّہ)، ممبئی ۔۸ سے شائع کی ہے۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔ ☆ ''گستاخ قلم''، ''انوارِ قرآنی'' مرتبہ مولانا سراج القادری بہرائچی الدار السنیہ نے شائع کی ہے۔ قیمت: ۱۲۔۱۲ روپے۔

ترجمۂ کنز الایمان کا لسانی جائزہ قسط ۸

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی، مراد آباد، یوپی

سورۃ المؤمنون

آیت ۲۰: جناب علامہ محمود الحسن نے ترجمہ ارقام فرمایا:

''اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے''

اگر کسی کی سمجھ میں یہ ترجمہ نہ آئے اور وہ سوال کرے کہ کیا اُگتا ہے؟ تو جواب ہوگا۔ ''تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے''

ظاہر ہے اس جواب سے کسی سائل کی تشفی نہیں ہوسکتی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یوں ہے۔

''اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کو۔''

جناب علامہ نے ایسی کوئی تبدیلی نہیں کی جس سے مفہوم میں سہولت ہوتی۔ صرف ترجمے پر قبضہ جمانے کی غرض سے لفظ ''کو'' کو ''کے واسطے'' سے بدل دیا۔ واضح ہے کہ اس سے مفہوم میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ اس بدلے ہوئے ترجمے کے مقابلے میں کسی طرح کم نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

''اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ طور سینا سے نکلتا ہے لے کر اُگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن''

آیت ۲۸: علامہ محمود الحسن کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھی ہے کشتی پر تو کہہ اللہ کا شکر جس نے چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے''

''اور جو تیرے ساتھی ہے'' نہایت بھدا بلکہ غلط فقرہ ہے۔ ہونا چاہیے تھا ''اور جو تیرے ساتھی ہیں''۔ جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں تجدید کے نام پر یہ تصرف بے جا کیا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''پھر جب چڑھ چکے تُو اور جو تیرے ساتھ ہیں کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھوڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے''

اس ترجمے پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ایک لفظ ''چھوڑایا'' ضرور دیکھنے میں اجنبی سا لگتا ہے، لیکن وہ متروک نہیں ہے، مرورِ ایام کے سبب اُس کا املا بدل گیا ہے۔ تجدید کے نام پر جناب علامہ نے اس ترجمے کی جیسی دُرگت کی ہے قارئین کرام دیکھ رہے ہیں۔ امام احمد رضا کا فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ اس

طرح ہے۔

''پھر جب ٹھیک بیٹھے کشتی پر تُو اور تیرے ساتھ والے تو کہہ سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی۔''

آیت ۲۹: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک جزو کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا۔

''اور کہہ اے رب اُتار مجھ کو برکت کا اُتارنا''

اس ترجمے میں جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ایک لفظ ''ادتارنا،، کے املا میں ترمیم فرمائی ہے۔ باقی ترجمہ شاہ صاحب کا ہی ہے۔ جناب علاّمہ نے اس کے باوجود قارئین کی سہولت کے لیے مفہوم واضح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا۔

''اور عرض کر کہ اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اُتار''

آیت ۴۷: جناب علاّمہ نے ترجمہ عنایت فرمایا۔

''سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو۲ آدمیوں کو اور اُن کی قوم ہمارے تابعدار ہیں''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''سو بولے کیا ہم مانیں گے ایک دو۲ آدمیوں کو ہماری برابر کے اور اُن کی قوم کرتے ہیں ہماری بندگی''

ان دونوں ترجموں میں غلطی یہ ہے کہ ''قوم'' کو جمع مذکّر کے بطور استعمال کیا ہے جبکہ یہ لفظ واحد مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کے عہد میں تو زبان خام حالت میں تھی، لیکن جناب علامہ نے امام احمد رضا کے ہم عصر ہوتے ہوئے بھی اس کی تصحیح نہیں کی جبکہ ترجمے کو اچھوتا بھی نہیں رہنے دیا، اُس میں اُلٹ پلٹ سے کام لیا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا۔

''تو بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو۲ آدمیوں پر اور اُن کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے''

آیت ۵۰: علاّمہ صاحب نے بین السّطور میں اس طرح ترجمہ درج فرمایا۔

''اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اُس کی ماں کو ایک نشانی اور اُن کو ٹھکانہ دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا۔''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''اور بنایا ہم نے مریم کا بیٹا اور اُس کی ماں ایک نشانی اور اُن کو ٹھکانہ دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہراؤ تھا اور پانی نتھرا''

جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں غیر ضروری تبدیلیاں تو کیں، لیکن ''مریم کا بیٹا اور اُس کی ماں'' کو جو عربی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے، یوں ہی رہنے دیا۔ یہ فقرہ اردو میں مضحکہ خیز صورت پیدا کر رہا

ہے۔ کیونکہ کوئی شخص اس کا مفہوم یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ "مریم کا بیٹا اور مریم کی ماں کو نشانی بنایا"۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر جنابِ مریم کی وساطت سے ہی کیا جارہا ہے۔ ایسی حالت میں "مریم کے بیٹے کی ماں" کہنا کہاں کی اردو دانی ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

"اور ہم نے مریم اور اُس کے بیٹے کو نشانی کیا اور انہیں ٹھکانہ دیا ایک بلند زمین جہاں بسنے کا مقام اور نگاہ کے سامنے بہتا پانی۔"

یہاں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے۔ قرآن کریم کے سعودی ایڈیشن میں متن کے جدول میں جگہ جگہ بین السطور میں درج الفاظ کی کچھ بہتر شکلیں لکھی گئی ہیں اور یہ بہت جگہ ہوا ہے۔ شاید ہی کوئی صفحہ خالی ہو۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ کام کب اور کس نے کیا۔ البتہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کنز الایمان سے جہاں تہاں استفادہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ جدول میں "ٹیلے" کا مرادف "اونچی زمین" اور "نتھرا" کا مرادف "جاری" لکھا گیا ہے۔ اس اندازے کو مزید تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ لفظ "جاری"، "نتھرا" کا مرادف نہیں ہے۔ اس کو کسی دیگر ترجمے سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔

آیت ٦٦: جناب علامہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"تم کو سنائی جاتی تھی میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر اُلٹے بھاگتے تھے۔"

"آیتیں" جمع اور امدادی فعل "تھی" واحد۔ اس کو کہتے ہیں آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا۔

"تم کو سنائی جاتیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر اولٹے بھاگتے تھے۔"

شاہ صاحب نے زبان کے تشکیلی دور میں ایک بے داغ ترجمہ عنایت فرمایا اور اُس کے برعکس زبان کے تکمیلی دور میں جناب علامہ نے شاہ صاحب کے پختہ ترجمے کو خام کردیا۔ ہے نا کمال کی بات۔ امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا۔

"بے شک میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹے پلٹتے تھے۔"

آیت ۱۰۲: جناب علامہ ترجمہ نگار ہیں۔

"سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے۔"

شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں وہی لوگ کام کے نکلے۔"

"جس کی" بجائے جن کی ہوتا تو ترجمہ صاف ہوتا۔ موجودہ حالت میں تو قواعد زبان کے لحاظ سے غلط ہے۔ امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ کو اس طرح ترجمہ لکھایا۔

''تو جن کی تولیں بھاری ہوئیں وہی مراد کو پہنچے۔''

آیت ۱۱۶: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا۔

''سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں اُس کے سوائے مالک اُس عزت کے تخت کا''

شاہ صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ انہوں نے ''سوا'' لکھا تھا جس کو جناب علاّمہ نے ''سوائے'' سے بدل دیا۔ اور شاہ صاحب کے ترجمے ''خاصے تخت'' کو ''عزت کے تخت'' سے بدل کر ترجمے پر قبضہ جمالیا۔

اس ترجمے میں اللہ تعالیٰ کو ''بہت اوپر'' لکھنا زبان پر عبور نہ ہونے کی دلیل ہے۔ شاہ صاحب نے لکھا تھا تو وہ مجبور تھے۔ شاید اُن کے عہد میں اللہ رب العزت کی رفعت و شان اور عظمت کے بیان کے لیے کوئی دوسرا پیرایہ نہ رہا ہو۔ مگر جناب علاّمہ تو امام احمد رضا کے ہم عصر تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان و جہت و تجسیم سے پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ زبان کی نزاکتوں کو سمجھتے ہی نہیں تھے۔

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ املا کرایا۔

''تو بہت بلندی والا ہے اللہ سچا بادشاہ کوئی معبود نہیں سوا اُس کے عزت والے عرش کا مالک۔''

اب جناب علاّمہ کے ترجمے سے دو نمونے فعل متعدی المتعدی کے استعمال کے بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔

آیت ۹۲: علاّمہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں گل افشانی فرماتے ہیں۔

''جاننے والا چھپے اور کُھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں۔''

اس ترجمے کا مآخذ (شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ) یہ ہے۔

''جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جو یہ شریک بتاتے ہیں۔''

شاہ صاحب نے ''بتاتے'' لکھا تھا۔ جناب علاّمہ نے لسانی اجتہاد فرمایا اور ''بتاتے'' کو ''بتلاتے'' سے بدل کر فصاحت کا گلا گھونٹ دیا۔ گویا اُن کے نزدیک ''بتاتے'' غیر فصیح تھا اور ''بتلاتے'' فصیح۔ داد کے قابل ہے علاّمہ کی یہ زبان دانی۔ امام احمد رضا کا فی البدیہہ لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

''جاننے والا ہر نہاں و عیاں کا تو اُسے بلندی ہے اُن کے شرک سے۔''

آیت ۹۵: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلادیں جو اُن سے وعدہ کر دیا ہے۔''

شاہ صاحب نے اپنے ترجمے میں (جس کا ترجمہ کرنے کے جناب علاّمہ مدعی ہیں) ''دکھلادیں'' نہیں لکھا تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھا دیں جو اُن کو وعدہ دیتے ہیں''

مگر شاید جناب علامہ کو فعل متعدی المتعدی لانے کا بیماری کی حد تک شوق تھا۔ جہاں اُن کو موقع ملتا وہ چوکتے نہیں تھے۔ شاید وہ اسی کو فصاحت کی معراج سمجھتے تھے۔ بہر حال امام احمد رضا نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور بے شک ہم قادر ہیں کہ تمہیں دکھا دیں جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں۔''

سورۂ النور

آیت ا: علامہ محمود الحسن صاحب اس آیت مبارکہ کے ایک حصے کا ترجمہ یوں رقم طراز ہیں۔

''یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اُتاری اور ذمے پر لازم کی اور اُتاریں اُس میں باتیں صاف۔''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یوں ہے۔

''ایک سورت ہے ہم نے اوتاری اور ذمے پر لازم کی اور اوتاریں اُس میں باتیں صاف''

''ذمے پر لازم کی'' اردو روزمرّہ نہیں ہے۔ اگرچہ اپنے عہد کی مجبوری کے باعث شاہ صاحب نے بھی یہی لکھا تھا۔ مگر جناب علامہ نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ لکیر کے فقیر نہیں ہیں دو لفظ تو بڑھا دیئے مگر مذکورہ بالا فقرے کی تجدید کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ شاید یہ کام اُن کے بوتے سے باہر کا رہا ہو۔ امام احمد رضا خاں نے اس جزء کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

''یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اُتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کیے۔''

آیت ۱۳: اس آیت کا ترجمہ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ارقام فرمایا۔

''کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ انہوں نے ''اللہ کے ہاں'' لکھا تھا۔ جس کو جناب علامہ نے بدل کر ''اللہ کے یہاں'' کر دیا۔ مگر عبارت میں جو نقص پیدا ہو گیا تھا اُس کو ٹھیک کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ خط کشیدہ فقرے میں ''وہ لوگ'' بھی ہے اور ''وہی'' بھی، جس سے عبارت میں زوائد کا نقص پیدا ہو گیا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

''اُس پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔''

آیت ۲۳: اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ جناب علامہ نے یوں تحریر یا نقل فرمایا۔

''جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بے خبر ایمان والیوں کو اُن کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں

اور اُن کے لیے بڑا عذاب۔"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ (جس کا ترجمہ علاّمہ نے فرمایا) اس طرح ہے۔

"جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والی بے خبر ایمان والیوں کو اُن کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اُن کو بڑی مار ہے۔"

دونوں ترجموں میں لفظ "بے خبر" محل کے مطابق نہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے سامنے زبان کی مجبوری تھی اور علاّمہ صاحب کے سامنے نقل مارنے یا فہم و فراست کی کمی کی۔ اس لیے ایک کمی جو پہلے سے تھی باقی رہ گئی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا۔

"بے شک وہ جو عیب لگاتے انجان پارسا ایمان والیوں کو اُن پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

آیت ۶۲: کے ایک جز کا جناب علاّمہ سے منسوب ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

"ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اُس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اُس سے اجازت نہ لے لیں۔"

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ شاہ صاحب کا ہی ترجمہ ہے جس میں "پروانگی نہ لے لیں" تھا۔ جناب علاّمہ نے اس کو بدل کر "اجازت نہ لے لیں" کردیا اور ترجمہ اُن کا ہوگیا۔ اس ترجمے میں "کسی جمع ہونے کے کام میں" واضح اور صاف ترجمہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کی اپنی مجبوری تھی اور علاّمہ کی اپنی۔ (دونوں کی مجبوریوں کا ذکر اوپر ہوچکا) امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

"ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک کہ اُن سے اجازت نہ لے لیں۔"

اس سورت میں بھی کم از کم چار[۴] جگہ جناب علاّمہ نے فعل متعدی المتعدی کا استعمال کیا ہے۔ اس کا بار بار بہت ذکر ہوچکا اور جناب علاّمہ کی زبان دانی کی یہ خوبی خوب واضح ہوگئی۔ بار بار علاّمہ کے اس شوق کا ذکر کرنا طوالت کا باعث بنتا جارہا ہے۔ اس لیے اب اس کو نظر انداز کردینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ الفرقان

آیت ۱۴: جناب علاّمہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جیسا بھی تھا من وعن اُٹھا کر اپنے نسخے میں رکھ لیا۔ ترجمہ یہ ہے۔

''مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو۔''

جب شاہ صاحب نے یہ ترجمہ کیا تھا اردو زبان مفہوم کو ادا کرنے پر قادر نہیں تھی۔ لہٰذا اس ترجمے میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت تھی۔ مگر علامہ نے اس کی زحمت نہیں فرمائی۔ ممکن ہے یہ اُن کے بس سے باہر ہو۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا۔

''فرمایا جائے گا آج ایک موت نہ مانگو اور بہت سی موتیں مانگو۔''

آیت ۱۸: جناب علامہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی مرمت اس طرح کی۔

''بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑ لیں کسی کو تیرے بغیر رفیق''

شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''بولیں گے تو پاک ہے ہم کو بن نہ آتا تھا کہ پکڑیں تیرے بغیر کوئی رفیق''

جناب علامہ نے دو لفظ بدلے، ایک کم کیا اور ایک کا اضافہ کر کے اپنی دانست میں ترجمہ نگاری کا حق ادا کر دیا۔ مگر ''رفیق پکڑنا'' ایسے ہی رہنے دیا، جس کا بدلا جانا ضروری تھا۔ کیونکہ جناب علامہ محمود الحسن کے عہد میں اس زبان کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ قلم بند کرایا۔

''وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھ کو ہمیں سزاوار نہ تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو مولےٰ بنائیں۔''

آیت ۳۰: جناب علامہ نے شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ من وعن نقل کر کے اپنا بنا لیا۔ ترجمہ یہ ہے۔

''اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک''۔

افسوس کی بات ہے کہ جناب علامہ، شاہ صاحب کے لکھے ہوئے لفظ ''جھک جھک'' کو بھی نہیں بدل سکے۔ جب کہ انہوں نے چلن سے باہر الفاظ کو بدلنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اور اسی وجہ سے مترجم مشہور ہوئے۔

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا''۔

آیت ۴۲: جناب علامہ محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا۔

''یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ جمے رہتے اُن پر اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کہ کون بہت بچلا ہوا ہے راہ سے۔''

شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا۔

''یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے کبھی ہم نہ ثابت رہتے اُن پر اور آگے جانیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کون بہت بچلا ہے راہ سے۔''

ایسا نہیں ہے کہ جناب علامہ نے ترجمے میں بالکل تصرف نہ کیا ہو۔ تصرف کیا لیکن ''بچلانے'' کو ایسے

ہی رہنے دیا۔ ہندوؤں کا یہ لفظ بلاشبہ جناب علاّمہ کو مرغوب تھا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

''قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں سے بہکادیں اگر ہم اُن پر صبر نہ کرتے اور اب جاننا چاہتے ہیں جس دن عذاب دیکھیں گے کہ کون گمراہ تھا۔''

آیت ۶۲: جناب علاّمہ محمود الحسن نے شاہ صاحب کے ترجمے میں تصرّف کر کے یوں ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے''

یہاں تابع مہمل ''سدلتے'' توجہ چاہتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کیا ضرورت تھی۔ شاہ صاحب کے ترجمے میں تو یہ لفظ ہے نہیں۔ اُن کا ترجمہ یوں ہے۔

''اور وہی ہے جس نے بنائی رات اور دن بدلتے۔''

شاید یہ لفظ (سدلتے) علاّمہ کے مفسّر علاّمہ شبیر احمد عثمانی کو بھی کھٹکا اس لیے انہوں نے اس کی یوں لیپا پوتی کی۔

''گھٹنے بڑھنے یا آنے جانے کو بدلنا سدلنا فرمایا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا..........''

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ قلم بند کرایا۔

''اور وہی ہے جس نے رات اور دن کی بدلی رکھی۔''

آیت ۷۲: جناب علاّمہ نے ایک حصۂ آیت کا ترجمہ یوں درج فرمایا۔

''اور جب گذرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور جب ہر نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل جاویں بزرگی رکھ کر''

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا۔

''اور جب بے ہودہ پر گذرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں۔''

سورۂ الشعراء

آیت ۳: علاّمہ محمود الحسن اور شاہ عبدالقادر صاحب دونوں کا ترجمہ یہ ہے۔

''شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے''۔

''جان گھونٹ مارنا'' شاہ صاحب کے عہد کا روز مرّہ ہوسکتا ہے علاّمہ کے عہد کا نہیں۔ مگر علاّمہ نے اس کو اپنے عہد کے مطابق کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ممکن ہے اس پر قادر ہی نہ رہے ہوں۔ امام احمد رضا نے یہ یوں ترجمہ املا کردیا۔

''کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اُن کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔''

آیت ۱۳: اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح تحریر فرمایا تھا۔

''اور رُک جاتا ہے میرا جی اور نہیں چلتی میری زبان سو پیغام دے ہارون کو۔''

جنابِ علّامہ نے ''نہیں چلتی'' کو ''نہیں چلتی ہے'' سے بدلنے کے سوا کچھ نہیں کیا اور ایک لفظ ''ہے'' کے اضافے سے ترجمے پر قبضہ جمالیا۔ ترجمے میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

''اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی تو تُو ہارون کو رسول کر''۔

آیت ۱۶: جنابِ علّامہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا۔

''سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگارِ عالم کا''۔

شاہ صاحب کا اردو زبان کے تشکیلی عہد میں کیا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

''سو جاؤ فرعون پاس اور کہو ہم پیغام لائے ہیں جہان کے صاحب کا''

پہلا فقرہ ہی ایک عام قاری کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔ ''سو جاؤ فرعون کے پاس'' کا مطلب کوئی سیدھا سادہ قاری یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ ''فرعون کے پاس سو جاؤ'' (یعنی استراحت کرو، نیند لے لو)۔ یہ اچھا اسلوبِ بیان نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا فوری طور پر حضرت صدر الشریعہ کو یہ ترجمہ املا کرایا۔

''فرعون کے پاس جاؤ پھر اُس سے کہو ہم دونوں اُس کے رسول ہیں جو رب ہے سارے جہان کا''

آیت ۵۹: اس آیت کا ترجمہ جنابِ علّامہ نے یوں عنایت فرمایا۔

''اس طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ بنی اسرائیل کے''۔

''ہاتھ لگنا'' یا ''ہاتھ آنا'' تو بولا جاتا ہے۔ مگر اس فعل کی متعدی شکل کسی فصیح نہیں لکھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اردو کے ابتدائی دور میں اس کا یہ ترجمہ کیا تھا۔

''اس طرح اور ہاتھ لگائیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کو''

جنابِ علّامہ نے ہاتھ پیر تو مارے مگر اصلی غلطی کو دور نہ کر سکے یا اُس کے اہل نہ تھے۔

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ قلم بند کرایا۔

''ہم نے ایسا ہی کیا اور اُن کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو''

آیت ۸۶: جنابِ علّامہ نے ترجمہ فرمایا۔

''اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں''۔

اور شاہ صاحب نے یہ ترجمہ کیا تھا۔

''اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولوں میں''

جناب علّامہ نے بغیر کسی غور وفکر کے شاہ صاحب کا ترجمہ ہی نقل کر دیا (خدا جانے وہ خود ترجمہ کرنے کے اہل تھے یا نہیں) اور یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ کیا نقل کر رہے ہیں۔ جناب علّامہ کے اس ترجمے سے اور کوئی تو کیا متفق ہوتا اُن کے عزیز شاگرد اور اُن کے نام نہاد ترجمے کے مفسّر جناب شیخ شبیر احمد عثمانی کو بھی اتفاق نہیں تھا۔ تفسیری حاشیے میں رقم طراز ہیں۔

''ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعا باپ کی موت کے بعد کی مگر دوسری جگہ تصریح آگئی ہے کہ جب اُس کا دشمنِ خدا ہونا ظاہر ہوگیا تو برأت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ وَمَا کَانَ اِسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ رکوع ۱۴)

اور اگر اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الضَّالِیْن میں کَانَ کا ترجمہ ''تھا'' کے بجائے ''ہے'' سے کیا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔ (قرآن حکیم صفحہ ۴۹۴ شائع کردہ شاہ فہد کمپلکس مدینہ منورہ ۱۴۱۳ھ)

اب امام احمد رضا فاضل بریلوی کا حضرت صدر الشریعہ کو بدل کر لکھایا ہوا نفیس ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''اور میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہ ہے۔''

آیت ۱۴۶: جناب علّامہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں تحریر فرمایا۔

''کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے۔''

اور اُن سے پہلے شاہ عبدالقادر صاحب یہ ترجمہ فرما چکے تھے۔

''کیا چھوڑ دیں گے یہاں کی چیزوں میں نڈر''

ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ جناب علّامہ کے ترجمے سے بہتر ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا۔

''کیا تم یہاں کی نعمتوں میں چین سے چھوڑ دیے جاؤ گے۔''

تینوں ترجموں کا فرق واضح ہے۔ کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔

سورۂ النمل

آیت ۳۹: جناب علّامہ کا کیا ہوا طویل آیت کے ایک حصے کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''بولا ایک دیو جنوں میں سے لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو ....''

جناب علّامہ کے مستعملہ لفظ ''دیو'' پر غور فرمائیے۔ ''دیو'' ہندی کا لفظ ہے اور اس کے معنی یا تو دیوتا کے ہیں یا ایسی مخلوق کے جس کا وجود ہی اسلامی عقائد کے مطابق محض وہم ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے

اس موقع پر جو لفظ لکھا ہے وہ میر صلاح الدین حسام الدین، ترکمان دروازہ دہلی کے شائع کردہ قرآن میں ''رکش'' چھپا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ لیتھو کی چھپائی میں کچھ کا کچھ ہوگیا ہو اور اصل میں ''راکشش'' ہو، جس کے معنی ''ظالم'' اور ''بددین'' ہیں۔ شاہ صاحب بھی مجبوراً یہ لفظ لائے ہوں گے۔ لیکن جناب علّامہ کو اردو زبان پر عبور حاصل ہوتا تو اُن کے سامنے ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی یا پھر انہوں نے وطنِ مالوف کے نام کے ایک حصے کو ترجمہء قرآن کا جُز بنانے کے لیے ایسا کیا۔ جو بھی وجہ رہی ہو یہ لفظ کسی حالت میں ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''کروڑا'' پر اعتراض کرنے والے اس لفظ کو کیوں خوش دلی کے ساتھ ہضم کرجاتے ہیں۔ جواب یہی ہوگا کہ اپنے شیخ کی عقیدت میں وہ ایسا کرنے کے لیے مجبور ہیں۔ امام احمد رضا نے اس حصہء آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

''ایک بڑا خبیث جن بولا میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا........................''

آیت ۵۶: جناب علامہ کا تحریر کردہ آیت کے ایک حصے کا ترجمہ یہ ہے۔

''نکال دو لوط کے گھر کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے''

یہی ترجمہ شاہ صاحب کا بھی ہے۔ جناب علامہ نے اس میں کوئی جا یا بے جا تصرّف نہیں کیا۔ اگر ''گھر کی جگہ'' ''گھر والوں'' یا اہل و عیال لے آئے تو یہ تصرّف جائز ہوتا۔ مگر نہ جانے کیوں انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بعض لوگوں کا کہنا تو یہ ہے کہ وہ ایسے تصرّف کے اہل ہی نہیں تھے۔ اب غور فرمایئے کہ کسی شہر سے گھر کو نکال دینا حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں کس طرح ممکن تھا۔ عہد جدید میں تو ایسی مشینیں بن گئی ہیں جو کسی مکان کو اٹھا کر دوسری جگہ لے جاسکتی ہیں؟ لیکن حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں تو ایک دیوار کو بھی دوسری جگہ سے جانا ممکن نہیں تھا۔ امام احمد رضا نے اس حصہء آیت کا ترجمہ یوں املا کرایا۔

''لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو ستھرا پن چاہتے ہیں''

آیت ۸۷: اس آیت کے ایک حصے کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح کیا تھا۔

''اور جس دن پھونکا جائے گا نرسنگھا تو گھبرا جاوے جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں۔''

قطع نظر اس کے کہ شاہ صاحب کے اس ترجمے میں زبان و بیان کی اور بھی خامیاں ہیں۔ ایک لفظ ''نرسنگھا''، ایسا بھی ہے جو اَب بالکل مستعمل نہیں ہے اور بہت سے تو اس کے معنی بھی نہیں جانتے ہوں گے۔ جناب علّامہ نے اس کو ''صور'' سے بدل دیا، یہ انہوں نے بہت اچھا کیا۔ اس حصے کا ترجمہ جناب علامہ نے اس طرح تحریر فرمایا۔

''اور جس دن پھونکی جائے گی صور تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں''

جناب علاّمہ نے جیسے تیسے ایک لفظ کی تسہیل کی تھی یا اپنے وعدے کے مطابق متروک کی جگہ رائج لفظ لکھا تھا۔ مگر ساتھ میں یہ غضب بھی کر گئے کہ مذکر کو مؤنث بنا دیا۔ ''صور پھونکی جائے گی''، اردو میں کہیں نہیں بولا جاتا۔ گویا ایک لفظ بدلا تو لٹیا ہی ڈبو دی۔ علاّمہ کی زبان دانی کی یہ حالت تھی اور اردو میں مترجم بنا چاہتے تھے، بلکہ بن بھی گئے۔ پس پردہ کیا ہے یہ تو بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ زیادہ تر اُن کو مستقل اور بہترین مترجم ہی سمجھتے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا۔

''اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرائے جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں۔''

سورۂ القصص

آیت ۴: جناب علاّمہ نے ترجمہ فرمایا۔

''فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں''

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی ترجمہ فرمایا تھا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''بے شک فرعون نے زمین میں غلبہ پایا تھا۔''

آیت ۱۵: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح درج فرمایا۔

''پھر مُکا مارا اُس کو موسیٰ نے پھر اُس کو تمام کر دیا۔''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ اس ترجمے کی زبان میں خامی یہ ہے کہ ''اُس کو تمام کر دیا'' فقرہ نامکمل ہے۔ اس سے کوئی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مُکا مارا تھا' وہ مر گیا تھا۔ مرنے کے لیے ''تمام کر دینا'' روز مرّہ نہیں ہے۔ ''کام تمام کر دینا'' البتہ صحیح ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا۔

''تو موسیٰ نے اُس کے گھونسا مارا تو اُس کا کام تمام کر دیا''

آیت ۲۱: اس آیت کا ترجمہ جناب علاّمہ نے یوں فرمایا۔

''پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھا بولا اے رب بچا لے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے''

شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا۔

''پھر نکلا وہاں سے ڈرتا راہ دیکھتا بولا اے رب خلاص کر مجھ کو اس قوم بے انصاف سے''

شاہ صاحب نے ترجمے میں ایک فقرہ ''راہ دیکھنا'' داخل کیا تھا، جو ضروری تو تھا مگر اس موقع پر لفظیات کے لحاظ سے درست نہیں تھا۔ اس لیے یہ بھرتی کا کلمہ معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے عہد کی اردو کے مطابق اس کو داخلِ ترجمہ کیا تھا۔ مگر جناب علاّمہ نے اُس کو ویسے ہی نقل کر دیا۔ کسی ترمیم کی

ضرورت نہیں سمجھی یا وہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح ڈکٹیٹ کرایا۔

''تو اُس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے۔ عرض کی اے میرے رب مجھے ستمگاروں سے بچالے''

آیت ۲۳: جناب علامہ نے اس آیت کے ایک حصے کا ترجمہ یوں درج فرمایا۔

''اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا''

مزے کی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب نے بھی بالکل یہی ترجمہ فرمایا تھا ''بوڑھا اور بڑی عمر کا'' میں ایک بات زائد ہے۔ بوڑھا بڑی عمر والے کو ہی کہتے ہیں اور ہر بڑی عمر والا بوڑھا ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کے سامنے تو زبان کی مجبوری تھی۔ مگر افسوس کہ جناب علامہ کی سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آئی۔ امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ لکھایا۔

''اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔''

آیت ۳۲: جناب علامہ نے اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح درج فرمایا۔

''اور ملا لے اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے''

اور شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ کیا تھا۔

''اور ملا اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے''

دونوں ہی ترجمے ایسے ہیں کہ ان کا مفہوم سمجھنا دشوار ہے۔ ایک بار نہیں سو بار پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ غور وفکر سے کام لیجیے مگر کچھ پلے نہیں پڑے گا۔ آخر کیا فائدہ ہے ایسے ترجمے سے جو سمجھ میں ہی نہ آئے۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے سامنے زبان کی مجبوری تھی اس لیے بدلے ہوئے زمانے میں اس کے ایک جدید ترجمے کی ضرورت تھی۔ اور اس کی ذمہ داری علامہ محمود الحسن صاحب نے اپنے سر لی تھی۔ مگر شاید وہ بھی شاہ صاحب کے ترجمے کو نہیں سمجھ سکے۔ اس لیے معمولی سی تبدیلی کر کے یوں ہی رہنے دیا۔ وعدے کے مطابق تسہیل بھی نہیں کر سکے۔

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ فرعون کے دربار میں جادوگروں کے جادو کو دیکھ کر ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اس جز میں خوف کو دور کرنے کی تدبیر بتائی تھی جو درج بالا دونوں ترجموں سے بالکل سمجھ میں نہیں آتی۔ امام احمد رضا نے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لے خوف دور کرنے کو''

آیت ۳۴: جناب علامہ کا اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اُس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے۔''

اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اُس کو بھیج ساتھ میرے مدد کو کہ مجھ کو سچا کرے۔''

اب امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اُسے میری مدد کے لیے رسول بنا کہ میری تصدیق کرے۔''

(معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔)

ترجمے کی زبان کی صفائی اور حقائق کا اظہار قابلِ داد ہے۔

آیت ۳۸: اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ جناب علامہ نے یوں درج فرمایا۔

''سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو اور پھر بنا میرے واسطے ایک محل''

اور شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ فرمایا تھا۔

''سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو پھر بنا میرے واسطے ایک محل''

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔ ''تو اے ہامان میرے لیے گارا پکا کر ایک محل بنا''

سورۃ العنکبوت

آیت ۱۹: جناب علامہ اس آیت کا ترجمہ اس طرح رقم فرماتے ہیں۔

''کیا دیکھتے نہیں کیوں کر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو پھر اُس کو دوہرائے گا یہ اللہ پر آسان ہے''

شاہ صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے فرق اتنا ہے کہ انہوں نے ''دوہراوے گا'' لکھا تھا جس کو علامہ نے ''دوہرائے گا'' کردیا۔ یعنی ''واؤ'' کو ''ہمزہ'' سے بدل دیا۔ ترجمہ پڑھنے پر بادی النظر میں یہی تاثر ملتا ہے کہ انسان کی ولادت کے عمل کا بیان ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمے سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے۔ مگر ایسا نہیں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں کوئی تبدیلی کی ہی نہ ہو۔ انہوں نے ''دوہراوے گا'' کو ''دوہرائے گا'' تو کردیا لیکن جو بات قاری کے لیے مشکل ہے اُس کی تسہیل کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

''اور کیا انہوں نے نہ دیکھا اللہ کیوں کر خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اُسے دوبارہ بنائے گا بے شک یہ اللہ کو آسان ہے۔''

آیت ۲۵: جناب علّامہ نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ اس طرح درج مصحف فرمایا۔

''اور ابراہیم بولا جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوائے بتوں کے تھان سو دوستی کر آپس میں دنیا کی زندگانی میں پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور لعنت کرو گے ایک کو ایک اور ٹھکانہ تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمھارا مددگار''

اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح ارقام فرمایا تھا۔

''اور بولا جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوا بتوں کے تھان سو دوستی کر کے آپس میں دنیا کی زندگی میں پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور پھٹکارو گے ایک کو ایک اور ٹھکانہ تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارے مددگار۔''

اس آیت کے ترجمے میں جناب علّامہ نے کافی ترمیم کی ہے لیکن دو ۲ لفظ ایسے بھی ہیں جن کو بدل کر شاہ صاحب کی عبارت کے معیار سے بھی نیچے اُتر آئے۔ پہلا شاہ صاحب کا لفظ ''کر کے'' تھا، جس کو موصوف نے ''کر کر'' کر دیا۔ دوسرا زندگی جس' کو بے وجہ ''زندگانی'' بنا دیا۔ یہ لفظ عام طور سے شاعری میں شعر کے وزن کو پورا کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ ورنہ آج بھی فصیح ''زندگی'' ہی ہے۔ ''کر کے'' بھی ''کر کر'' کے مقابلے میں بہتر اور فصیح ہے۔ معلوم ہوا کہ جناب علّامہ کا سفر فصیح سے غیر فصیح کی جانب تھا۔

شاہ صاحب نے اپنے ترجمے میں ''ایک سے ایک'' اور ''ایک کو ایک'' فقرے بھی استعمال کیے تھے۔ یہ بھی بدلے جانے کے متقاضی تھے، مگر جناب علّامہ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ یا وہ اس پر قادر نہیں تھے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

''اور ابراہیم نے فرمایا تم نے اللہ کے سوا یہ بُت بنالیے ہیں جن سے تمہاری دوستی یہی دنیا کی زندگی تک ہے پھر قیامت کے دن تم میں ایک دوسرے کے ساتھ کفر کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت ڈالے گا اور تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔''

آیت ۳۱: جناب علّامہ نے اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا۔

''اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر۔''

شاہ صاحب کا ترجمہ بھی لگ بھگ یہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ شاہ صاحب نے ''بھیجے'' لکھا تھا۔ جناب علّامہ نے اُس کو ''بھیجے ہوئے'' سے بدل دیا۔ اس ترجمے کے پڑھنے والے کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھیجے ہوئے کون تھے۔ عام انسان، پیغمبر یا فرشتے؟ اس سوال کا کوئی جواب ترجمے میں

نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا یہ ترجمہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی بستوی کو لکھایا۔

''اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے۔''

آیت ۴۰: کے ایک جز کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے درج ذیل رقم فرمایا تھا اور اُسی کو جناب علامہ نے نقل فرمالیا۔

''پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر''

اہلِ زبان جانتے ہیں کہ یہاں ''اپنے اپنے'' کا محل نہیں تھا۔ شاہ صاحب کے سامنے زبان کے خام ہونے کی مجبوری تھی اور جناب علامہ کے سامنے اردو زبان پر عبور حاصل نہ ہونے کی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا۔

''تو اُن میں ہر ایک کو ہم نے اُس کے گناہ پر پکڑا''

امام احمد رضا نے اس ترجمے میں صحیح ضمیر ''اُس'' کا استعمال کیا ہے اور ہر ماہر زبان داں ایسا ہی کرے گا۔

آیت ۵۳: جناب علامہ محمود الحسن نے اس آیت کے ایک جزو کا ترجمہ یوں رقم فرمایا۔

''اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے آفت''۔

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور شتاب مانگتے ہیں تجھ سے آفت''

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا۔

''اور تم سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں''

آیت ۵۷: اس آیت کے ایک معروف و مشہور حصے کا ترجمہ علامہ محمود الحسن صاحب نے یوں تحریر فرمایا۔

''جو جی ہے سو دیکھے گا موت''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یوں ہے۔

''جو جی ہے سو چکھے گا موت''

اور امام احمد رضا نے یوں ترجمہ ارشاد فرمایا۔

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے''

ان دونوں آیتوں کے ترجموں میں زبان کے فرق کو بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

(باقی آئندہ)

OOOOOO

حسان الہند علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی

از: غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

بزرگوں کی حیات کا ہر صفحہ، ورقِ درخشاں اور ہر لمحہ، ساعتِ جاں فزا ہوتا ہے۔ ہر دور میں مقربانِ بارگاہِ الٰہی نے اپنے درسِ اخوت، عملِ صالح، درستگیِ اخلاق اور اصلاحِ باطن کے ذریعہ خلقِ کثیر کو ضلالت کے اندھیروں سے نکال ایمان وعمل کی شاہراہ پر حیاتِ جاوداں سے سرفراز کیا ہے۔

اسلاف میں بے شمار اولیائے کرام گزرے ہیں جن کی تعلیمات سے گمراہیت کے شکار راہِ ہدایت پائے ہیں اور بے نور قلوب، خوفِ الٰہی اور یادِ الٰہی سے تابناک ہوئے۔ ان کے عہد کے بعد بھی ان کے علمی کارناموں اور حیاتِ تابندہ سے خلقِ کثیر مستفیض ہوتی رہی۔ جس کے سبب عروج کی منزل پر عہدِ ماضی کے مسلمان فائز نظر آتے ہیں۔

ہندوستان کی تاریخ میں خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ کے علمی و روحانی کارہائے نمایاں سے برصغیر کے مسلمان اکتسابِ فیض کرتے رہے ہیں۔ ساداتِ مارہرہ مطہرہ نے برصغیر میں اصلاحی و اخلاقی سدھار کے لیے عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ خانقاہِ برکاتیہ کے فیوض و برکات کا دھارا ''امام احمد رضا محدث بریلوی'' کی شکل میں نمودار ہوا، جن کے علم و اخلاق اور محبتِ جانِ ایماں ﷺ کا فیض عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو رمزِ ایماں سے آشنا کر رہا ہے۔ امام احمد رضا نے مُردہ ضمیروں کو خرد آشنا کیا، قوم کے وقار کو اسلامی جہت سے آہنگ کیا۔

اسلاف و بزرگانِ دین کی بارگاہ پاکیزہ تعلیمات کا منبع رہی ہیں۔ ہم نے اپنے اسلاف کے کارناموں کی قدر نہیں کی، علمی و دینی ورثے کی حفاظت نہیں کی۔ ان وجوہات کی بناء پر زوال کی راہیں ایستادہ ہو رہی ہیں۔ عہدِ حاضر میں بزرگوں کی خدمات سے آشنائی ضروری ہوگئی ہے۔ ان کی تعلیمات پر عمل کے ساتھ ہی اسلاف کی تصانیف کو منظرِ عام پر لانا اور انہیں عام کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

ساداتِ مارہرہ کے اکابر میں مشہور بزرگ میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ان کے اپنے عہد میں عہد ساز دکھائی دیتی ہے۔ تصوف کے باب میں آپ کی گراں بہا تصنیف ''سبع سنابل شریف'' اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس کتاب کی مقبولیت پر امام احمد رضا نے خامہ فرسائی کی ہے اور بارگاہِ رسالت میں مقبولیت کا تذکرہ بروایت محبوب العاشقین حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ بحوالہ ''ماثر الکرام'' مصنف: حاجی الحرمین سید غلام علی آزاد بلگرامی، اپنی کتاب ''غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق'' میں تحریر

فرمایا ہے۔ ۱؎

بلگرام کے سادات کی خدمات عہد آفریں ہے اور وسعت نظر تک اشاعتِ دین کی بساط پھیلائے ہوئے ہے۔ پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں۔

''بلگرامی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ شمس الدین التمش کے عہد اقتدار میں مسلمانوں کے قدم یہاں پہنچے اور اس سرزمین پر اسلامی تہذیب وتمدن کا علم لہرانے لگا۔ مسلمانوں کے بہت سے قبیلے یہاں آکر آباد ہوئے۔ ان ہی میں سادات فریدیہ کا بھی ایک خاندان تھا جس میں نامور امراء، عمائد، علما، صوفیاء، شعراء اور ادباء گزرے ہیں، اور یہ روایت کچھ ایسی ساعت سعید میں قائم ہوئی کہ بلگرام کی سرزمین ہر دور میں کوئی نہ کوئی گوہر آبدار پیدا کرتی رہی ہے'' ۲؎

حسان الہند حاجی الحرمین علامہ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی، ارض بلگرام کے تاجدارِ علم و معرفت حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کے خاندان کے فرد تھے۔ آپ کی ولادت بلگرام (اتر پردیش) میں ۲۵رصفر المظفر ۱۱۱۶ھ میں ہوئی، حسان الہند کے حصولِ علم کے متعلق مولانا رونق علی لکھنوی رقم طراز ہیں۔

''کتب درسیہ میر طفیل محمد اور کتب احادیث ولغت و سیر نبوی اور فن ادب مولانا عبدالجلیل اور علم عروض وقافیہ سید محمد صاحب خلف الصدق مولانا عبدالجلیل بلگرامی سے حاصل کیا۔ سید لطف اللہ معروف بہ شاہ بلگرامی سے بیعت کی'' ۳؎ جب عازم حجاز ہوئے تو طویل مدت حرمین مقدس میں مقیم رہے۔۔۔ مولانا شیخ محمد حیات السندی المدنی الحنفی سے صحیح البخاری پڑھی اور صحاح ستہ و دوسری کتب احادیث کی اجازت لی۔ مکہ معظمہ میں شیخ عبدالوہاب طنطاوی المصری المکی سے تحصیل علم فرمایا۔

حسان الہند علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی، فن شعر گوئی میں ماہر و یکتا اور فارسی ادب میں معاصرین میں ممتاز تھے۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، (دہلی) نے ہندوستان کے بلند پایہ عربی زبان کے شعراء میں حسان الہند کا شمار کیا ہے۔ ۴؎ مولانا رونق علی لکھنوی آپ کی نظم و نثر میں مہارت اور ادبی مقام پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں۔

''ان کی نظم ونثر میں خاص صفت یہ ہے کہ شاعرانہ لغویات اور بیہودہ خیالات سے پاک اور عمدہ تشبیہات اور دلچسپ استعارات سے پُر ہے۔ ان کی خوش مقالی اور نازک خیالی کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے۔'' ۵؎

راقم نے آپ کے فارسی اشعار کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ اشعار میں جانِ ایماں ﷺ کی محبت کے جلوے ایستادہ ہیں۔ حسان الہند کی تصانیف سرو آزاد، شجرۃ المرجان شاہکار ادب ہیں۔ تاریخ گوئی پر ملکہ حاصل تھا۔ بہت سے بزرگوں کی تاریخ وصال آپ نے کہی۔

حسان الہند، حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ عارف کامل و عالم باعمل تھے۔ آپ کے وصال پر حسان الہند نے تاریخ وصال لکھی ۔

تاریخ وصال او خرد کرد رقم

صاحب برکات واصل منزل قدس ۱۱۴۲ھ ۶

دکن کے خطۂ پُر بہار دولت آباد، خلد آباد اور اورنگ آباد میں بکثرت اولیائے کرام مدفون ہیں۔ ان اولیائے کرام کے تذکرے میں مستند کتب میں حسان الہند قدس سرہٗ کی کتاب ''روضۃ الاولیاء'' کا شمار ہوتا ہے۔ اس تاریخی کتاب کے حوالے دکن کے مؤرخین کی کتابوں میں نمایاں طور پر ملتے ہیں جو کتاب کے مستند حُسن تحقیق پر دال ہے۔ آپ کی مؤرخانہ عظمت پر ماٴثر الکرام اور شجرہ طیبہ خصوصیت سے مشہور ہے۔

حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کو مارہرہ کے سادات سے خاندانی نسبت حاصل ہے۔ حضرت شاہ برکت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہٗ (ولادت ۱۱۳۱ھ، وصال ۱۱۹۸ھ) کے صاحبزادے قطب العارفین شمس الدین ابوالفضل حضرت سید شاہ آل احمد اچھے صاحب قدس سرہٗ (ولادت ۱۱۶۰ھ، وصال ۱۲۳۵ھ) کا عقد حسان الہند کی صاحبزادی سے ہوا۔ اس سلسلے میں تاج العلماء مولانا سید اولاد رسول محمد میاں اپنی مشہور کتاب ''تاریخ خاندانِ برکات'' میں لکھتے ہیں ''حضرت کا عقد سید غلام علی سلہڑوی بلگرامی کی صاحبزادی فضل فاطمہ سے ہوا۔'' ۷

حسان الہند کے اسفار کے متعلق کتابوں میں تین سفر کا ذکر صراحت کے ساتھ ملتا ہے۔ پہلی مرتبہ دہلی گئے۔ دوسری بار سیستان پہنچے اور ۱۱۴۷ھ میں لاہور اور الہ آباد ہوتے ہوئے بلگرام آئے۔ ۱۱۵۰ھ میں قصد حج کیا۔ ایک عرصہ حجاز مقدس میں رہ کر ۱۱۵۲ھ میں بحری راستے سے سورت آئے، پھر علاقۂ دکن کے شہر اورنگ آباد میں قیام فرمایا ۸ تبلیغ اسلام اور دعوتِ حق سے اورنگ آباد سمیت اطراف وجوانب کے علاقوں کو منور فرماتے رہے۔ اتباعِ شریعت وسنت، محبت واخوت آپ کی علمی ذات کی صفات تھیں۔

آپ کا وصال ۲۴ رذی قعدہ ۱۲۰۰ھ میں ہوا۔ بہر مدفن وطن مالوف سے دور خلد آباد میں جگہ پائی۔ خلد آباد جو داعیانِ اسلام کا گلشن اور اولیائے کرام کا مسکن ہے، جہاں حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے

خلفاء بالخصوص حضرت برہان الدین غریب (۷۳۸ھ)، حضرت امیر حسن اعلاء سنجری (۷۳۸ھ)، حضرت برہان الدین کے خلیفہ حضرت زین الدین داؤد شیرازی (۷۷۱ھ) اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (گلبرگہ۔ کرناٹک) کے والد حضرت سید یوسف علی المعروف سید شاہ راجو قتال حسینی جیسے جلیل القدر اولیاء آرام فرما ہیں۔

خلد آباد کے جنوبی سبز پوش کوہسار کے دامن میں حضرت امیر حسن اعلاء سنجری (صاحب فوائد الفواد) کے مدفن اقدس کے بائیں سمت چہار دیواری میں حضرت حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کا مزار مبارک ہے۔

حسن اعلائے سنجر نے یہاں آرام فرمایا
وطن کو چھوڑ کر آزاد کو یہ گلستاں بھایا ۹

حضرت حسان الہند کے لوحِ مزار پر یہ تاریخ وصال درج ہے۔ "آہ غلام علی آزاد" ۱۲۰۰ھ

اکابرِ بلگرام میں حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے تذکرے میں راقم نے حاصل شدہ مختصراً تعارفی نگارشات قلم بند کیں۔

۲۴ ذی قعدہ کو بزم برکات رضا (مالیگاؤں) کے زیر اہتمام عرس حسان الہند خلد آباد میں ہوتا ہے۔ باضابطہ عرس کا اہتمام ۱۴۲۳ھ مطابق جنوری ۲۰۰۲ء سے ہو رہا ہے۔

ماخذ:-

۱۔ غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق — امام احمد رضا بریلوی صفحہ ۱۶
۲۔ مقدمہ سبع سنابل شریف — پروفیسر ایوب قادری صفحہ ۶
۳۔ روضۃ الاقطاب — مولانا رونق علی لکھنوی صفحہ ۲۵۴
۴۔ سہ ماہی افکار رضا ممبئی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء صفحہ ۱۷
۵۔ روضۃ الاقطاب — مولانا رونق علی لکھنوی صفحہ ۲۵۵
۶۔ حیات صاحب البرکات مشمولہ اہلسنت کی آواز ۱۹۹۷ء — ڈاکٹر سید محمد امین میاں
۷۔ تاریخ خاندان برکات صفحہ ۲۴ — سید اولاد رسول محمد میاں
۸۔ روضۃ الاقطاب — مولانا رونق علی لکھنوی صفحہ ۲۵۵
۹۔ شاہانِ بے تاج — وحیدہ نسیم

☆☆☆☆☆☆

اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی حضرت حکیم الامت کی زبانی

مختصر تشریح از حکیم الامت حضرت علاّمہ مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی علیہ الرحمہ

ترتیب و اضافہ از :- محمد نعیم برکاتی بن محمد سالار کپٹھال، تول پیٹ، ہبلی (کرناٹک)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم امابعد

کرکے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ

تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروروں دُرود [۱]

اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے اس شعر کی تشریح، اعلیٰ حضرت ہی کے اس دوسرے شعر سے ہوتی ہے۔

اپنے خطادار کو، اپنے ہی دامن میں لو

کون کرے یہ بھلا، تم پہ کروروں دُرود [۲]

عاشقِ رسول سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو یہ درود شریف (تم پہ کروروں درود) بہت ہی محبوب تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے وصال مبارک سے دو گھنٹے سترمنٹ قبل یہ ایمان افروز وصیت فرمائی......

''میرے جنازہ میں بلاوجہ شرعی تاخیر نہ ہو۔ جنازہ کے آگے اگر پڑھیں تو ''تم پہ کروروں درود اور ذریعۂ قادریہ'' پڑھیں۔ خبردار! کوئی شعر میری مدح کا نہ پڑھا جائے، یوں ہی قبر پر'' [۳]

اعلیٰحضرت کے اس شعر میں ''تمہارے گناہ'' سے مراد ایک تو ہے ''گستاخیِ رسول'' جو کہ آپ ﷺ کی اُمت نے آپ کی شان میں گستاخی کرکے گناہ مول لیا۔ اور دوسرا وہ گناہ جس سے بچنے کی آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو تنبیہ فرمائی۔

قرآن حکیم کی آیت اِنّا فتحنا لک فتحاً مبینا لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک و ماتاخر [۴] میں لفظ ذنبک کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت علاّمہ مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ ''روح البیان'' کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ یہاں ذنبک سے مراد وہ گناہ ہیں جنھیں حضور ﷺ نے گناہ بنادیا۔ کیونکہ اگر حضور ﷺ کی جلوہ گری نہ ہوتی تو کوئی کام گناہ نہ بنتا یعنی آپ ﷺ کے بنائے ہوئے گناہ [۵] جیسے کہا جاتا ہے، چوری و زنا وغیرہ خدا کا گناہ ہے یعنی خدا کا حرام فرمایا ہوا گناہ۔

کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ

تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروروں درود

یونہی کاغذ کے ٹکڑے یا پرزے کو حکومت نے نوٹ یا روپیہ بنادیا (نوٹ قرار دیا) تو اسے گورنمنٹ کا نوٹ ہی کہیں گے۔ اسی کاغذ کو امریکہ نے اگر ڈالر بنادیا تو اسے امریکہ کا ڈالر ہی کہیں گے۔ امریکن ڈالر ہی کہیں گے۔ اسی کاغذ کو برطانیہ نے پونڈ بنادیا تو اسے برطانیہ کا پونڈ ہی کہا جائے گا اور اسی کاغذ کو عرب حکومت نے ریال بنادیا تو اسے عرب کا ریال ہی کہیں گے۔ سعودی ریال ہی کہیں گے ...... اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اگر کسی کام کو گناہ بنادیا، یا کسی فعل کو گناہ قرار دیا تو اسے نبی ﷺ کا گناہ کہا جائے گا یعنی حضور مختارِ کائنات ﷺ کا اس فعل کو غلط یا ناجائز فرمایا ہوا گناہ۔ کیونکہ نبی خود تو گناہوں سے پاک ہیں۔ اور جملہ انبیاء و مرسلین حتیٰ کہ فرشتے معصوم محض ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے ......

وما اٰتاکم الرسول فخذوہ ومانھا کم عنہٗ فانتھوا ۷

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ ۸

واطیعو اللہ واطیعو الرسول الاٰیۃ ۹

اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا ۱۰

ان آیاتِ مبارکہ میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جس بات کا بھی رسول ﷺ تمہیں حکم دیں، اُس کو بجا لاؤ، قبول کرلو۔ اور جس فعل سے تم کو منع کریں یا جس بات سے بھی تمہیں روکیں، رک جاؤ۔ یعنی کہ اس معاملے میں آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں بلکہ احادیثِ شریفہ میں جو بھی آپ کے فرامین ہیں اُن کو دل و جان سے قبول کرلیں اور جس گناہ سے بھی بچنے کی آپ نے تنبیہ فرمائی ہے، اُس سے بچیں۔ ورنہ گنہگار اور گستاخ کہلاؤ گے۔

تو اس شعر "کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ" کا مطلب یہ ہوا کہ جن جن کاموں کو حضور اقدس ﷺ نے گناہ قرار دیا، منع فرمادیا، انہیں غلط کاموں میں مبتلا ہو کر جو گناہ ہم نے مول لیا، اُس کی تلافی کے لیے یا ان گناہوں کی مغفرت کے لیے مانگیں انہی (حضور ﷺ) سے پناہ۔ کیونکہ سوائے اِس کے کوئی چارہ ہی نہیں۔ کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں۔ کہ خود خدائے رب العزت نے ہمیں یہی در بتایا ہے۔ اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے اسی در پر حاضری دینے کا حکم دیا ہے۔

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآء وک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ٥ [۱۱]

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں [۱۲]

یعنی اے رحمتِ مجسم! اگر یہ دنیا بھر کے قصور کر کے اور اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم توڑنے کے بعد بھی نادم و تائب ہو کر تیرے حضور حاضر ہوں تو تُو ان پر اپنا درِ کرم کھلا رکھ۔ جب ان کی شفاعت و بخشش و دُستگاری کے لیے تیرا ہاتھ میری بارگاہِ جود و عطا میں اُٹھے گا تو خواہ وہ کتنے ہی گنہگار روسیاہ اور بدکار کیوں نہ ہوں، تیرے رب کی رحمت ان کو مایوس نہیں کرے گی، بلکہ ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ان بیگانوں کو اپنا بنالیا جائے گا۔ حضور اکرم شفیع المذنبین ﷺ کی یہ برکت آپ کی ظاہری زندگی تک محدود نہ تھی بلکہ تا ابد ہے۔ اہلِ دل اور اہلِ نظر ہر لمحہ اور ہر آن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ [۱۳]

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور (فرطِ رنج وغم) سے مزارِ پُرانوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک کو اپنے سر پر ڈالا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جو آپ نے فرمایا، ہم نے سنا، جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا، وہ ہم نے آپ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت بھی ہے: ولو انھم اذ ظلموا الآیۃ میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کیے ہیں، اب تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپا شفقت و رحمت! میری مغفرت کے لیے دعا فرمائیے۔ فنودی من القبر انہ قد غفر لک [۱۴] تو مرقدِ انور سے آواز آئی کہ جا تجھے بخش دیا گیا۔ [۱۵]

اس حکایت کو مفسرین کی ایک جماعت نے عتبی سے روایت کیا ہے [۱۶]

نیز اس حکایت کو علمائے اہلسنت کے علاوہ مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی سند کے ساتھ محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے۔ اور اس واقعہ کو ذکر فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ ھ میں ہوئی ہے، غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا [۱۷]

مولوی قاسم نانوتوی نے اس آیت (ولو انھم اذ ظلموا الآیۃ) کے تحت یوں لکھا ہے......

''کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں، آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو، آپ کا وجودِ تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں

آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں" ۱۸

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اس آیت (ولو انھم اذ ظلموا الآیۃ) کے متعلق لکھا ہے......

"یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعاء مغفرت کردیں، اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔" اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکور الصدور حکایت بیان کی ہے۔" ۱۹

تبھی تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ گناہوں کی معافی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہی سے ہوتی ہے۔

چنانچہ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ دس مسلمان تھے جو غزوۂ تبوک میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات آدمیوں نے اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے نبی کریم ﷺ گزرتے تھے۔ آپ ﷺ جب مسجد تشریف لائے تو ان کو دیکھ کر دریافت فرمایا: یہ کون لوگ ہیں؟ ...... مسلمانوں نے کہا: یہ ابو البابہ اور ان کے اصحاب ہیں جو آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے۔ یہ اُس وقت تک بندھے رہیں گے جب تک آپ ان کا عذر قبول کر کے ان کو اپنے دستِ مبارکہ سے نہیں کھولیں گے۔ ...... نبی ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اُس وقت تک ان کو نہیں کھولوں گا اور ان کا عذر قبول نہیں کروں گا جب تک اللہ ہی ان کو کھولنے کا حکم نہ دے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ......

و اٰخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحاً و اٰخر سیئاً عسی اللہ ان یتوب علیھم ط ان اللہ غفور الرحیم ۲۰

اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا۔ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے۔ بے شک اللہ بخشنے الا مہربان ہے ۲۱

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولا ۲۲

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوالبابہ اور ان کے اصحاب کو کھول دیا تو حضرت ابوالبابہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے اموال لے کر آئے اور کہا:- یارسول اللہ! ہمارے اموال لیجئے (چونکہ ان اموال میں مشغولیت کی وجہ سے ہم جہاد سے رک گئے۔ لہٰذا یہ مال بطورِ کفارہ حاضر ہے) ان کو ہماری طرف سے صدقہ کر دیجئے اور ہمارے لیے استغفار کیجئے اور ہم کو پاک کیجئے۔

کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اُس وقت تک ان میں سے کوئی چیز نہیں لوں گا، جب تک مجھے اس کا حکم نہ دیا جائے ...... تب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ......

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ط ان صلوتک سکن لھم ط واللہ سمیع علیم ٥ ۲۳

اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے ۲۴

اِس واقعہ سے بھی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ گناہوں کی مغفرت کے لیے رسول اکرم ﷺ ہی ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ تبھی تو وہ مسجدِ نبوی میں آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے آپ کو کھلوانے کے خواہش مند ہوئے۔

سراقہ بن مالک بن جعشم کا گستاخیٔ رسول سے آپ ﷺ کی پناہ مانگنا:-

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر رہے تھے۔ تو سراقہ بن مالک بن جعشم نے آپ کا پیچھا کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے خلاف دعاءِ ضرر کی۔ تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ وہ عرض گزار ہوا کہ آپ میرے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ میں آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ پس آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی ۲۵

سراقہ بن مالک نے نبی کریم ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کی کہ انعام کے لالچ میں اس نے آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے آپ کا پیچھا کیا۔ پھر جب اسے اس کی سزا ملی تو آپ ہی سے پناہ مانگنے لگا۔ اب پڑھیے۔ میرے اعلیٰحضرت کا شعر۔

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ

تم کہو دامن میں آ تم پہ کروروں درود

غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کو للکارنے والے ابوسفیان کا آپ ﷺ کی پناہ مانگنا:۔

ابوسفیان نے قبولِ اسلام سے قبل سرکار مدینہ ﷺ کی شان میں بہت سی گستاخیاں کی تھیں اور متعدد بار مدینہ طیبہ پر حملے کیے تھے حتیٰ کہ غزوۂ اُحد میں آپ ﷺ کو للکارا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن ابی اُمیہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔

اس کے متعلق امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی (متوفی ۶۳۰ھ) رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوسفیان سے کہا:۔تم حضور کے سامنے کی طرف سے جانا اور آپ ﷺ سے وہی کہنا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کہا تھا کہ ''خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی قصور وار تھے۔'' انھوں نے اسی طرح کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ پھر آپ نے ان کو قریب بٹھایا اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور ابوسفیان نے اپنی پچھلی تمام زیادتیوں پر معافی مانگی ۲۶

اب پڑھیے میرے اعلیٰ حضرت کا شعر ؂

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ

تم کہو دامن میں آ تم پہ کروروں درود

حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبانے والی ہندہ کا ندامت سے نقاب اوڑھے پناہ مانگنے حاضر ہونا:۔

صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں:

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ میں مردوں کی بیعت سے فراغت پاکر صفاء کی پہاڑی پر رونق افروز ہو کر عورتوں سے بیعت لینے لگے اور پانی کا پیالہ منگوا کر اپنا دستِ مبارک اس میں ڈبویا۔ پھر عورتوں سے فرمایا کہ اس میں اپنے اپنے ہاتھ ڈالیں۔ عورتوں کے گروہ میں حضرت ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ (جس نے غزوۂ احمد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا) نقاب اوڑھے ہوئے اجنبی بن کر حاضر ہوئی، اس رسوائی سے کہ اس نے یومِ احد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مثلہ کیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے معاہدہ کرو کہ اب کے بعد شرک نہیں کروگی۔ ہندہ نے سر اُٹھا کر

کہا کہ ہم بت پرستی کرتی رہیں (وہ تو سلسلہ ختم ہی ہوگیا) لیکن ہم دیکھ رہی ہیں کہ آپ نے جس طرح مردوں سے بیعت لی تھی، ہم سے بھی اسی طرح لیں۔ وہ یہ کہ ان سے اسلام اور جہاد پر بیعت لی تو ہم سے بھی اسلام اور جہاد پر بیعت لیں۔ پھر جب حضور پرنور ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ معاہدہ کرو کہ تم چوری نہیں کروگی۔ تو ہندہ نے کہا کہ ابوسفیان گنجائش ہے کہ زیادہ خرچ کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا، اگر میں اس کے مال سے کچھ ضرورت پوری کرلوں تو میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟ ابوسفیان پاس ہی کھڑے تھے، بولے کہ تجھے میرا مال مل جائے تو تیرے لیے حلال ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے اور فرمایا: ہندہ بنت عتبہ تو ہی ہے نا؟ وہ کہنے لگے: ہاں، آئے اللہ کے نبی (ﷺ) مجھ سے جو پہلے غلطیاں سرزد ہوئیں وہ سب معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ آپ نے فرمایا:- میں نے معاف کیا[۲۷]

اب پڑھیے میرے اعلیٰ حضرت کا شعر؎

کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروروں درود

عکرمہ بن ابی جہل کا گستاخیِ رسول سے آپ ﷺ کی پناہ مانگنا:-

امام ابن اثیر شیبانی (متوفی ۶۳۰ھ) علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

عکرمہ بن ابی جہل بھی رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے، آپ سے عداوت رکھنے اور آپ کے خلاف جنگوں میں پیسہ صرف کرنے میں اپنے باپ (ابوجہل) کی مثل تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو فتح کرلیا تو اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور وہ یمن کی طرف بھاگ گیا، لیکن اس کی بیوی اُم حکیم بنت الحارث مسلمان ہوگئیں اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عکرمہ کے لیے امان طلب کی اور اپنے ساتھ ایک رومی غلام لے کر اس کو ڈھونڈنے نکلیں۔ انھوں نے عرب کے بعض قبیلوں کی مدد سے عکرمہ کو جالیا۔ اس وقت عکرمہ سمندر کے سفر کا ارادہ کررہے تھے۔ اُم حکیم نے کہا:- میں تمہارے پاس اس شخص کے ہاں سے آئی ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ حلیم ہیں اور سب سے زیادہ کریم ہیں اور انھوں نے تم کو امان دیدی ہے۔ جب عکرمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ پھر عکرمہ مسلمان ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ اس کے لیے استغفار کریں۔ پھر آپ نے ان کے لیے استغفار کیا[۲۸]

اب پڑھیے میرے اعلیٰحضرت کا شعر؎

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروروں درود

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا گستاخیٔ رسول سے آپ ﷺ کی پناہ مانگنا:۔

تفسیر کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی مرضِ موت میں مبتلا ہوا تو حضور اقدس ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس نے التماس کی کہ جب وہ مرجائے تو حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں۔ پھر اس نے ایک آدمی بھیجا اور عرض کی کہ کفن کے لیے اس قمیص مرحمت فرمائی جائے۔ حضور پرنور ﷺ نے اوپر والی قمیص بھیجی۔ اس نے پھر گذارش کی کہ مجھے وہ قمیص چاہیے جو آپ کے جسد اطہر کو چھو رہی ہے۔ الخ ۲۹

اس حدیث سے بھی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی بھر گستاخی اور گناہ کرنے والے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے بھی اپنے گناہ اور گستاخیٔ رسول کی مغفرت کے لیے حضور شافع یوم النشور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں یہ التجا پیش کی کہ آپ ﷺ اسے اپنی قمیصِ مبارکہ مرحمت فرمائیں، اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں۔

اب پڑھئے میرے اعلیٰحضرت کا شعر

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروروں درود

منافقوں کے ایک گروہ کا گستاخیٔ رسول سے آپ ﷺ کی پناہ مانگنا:۔

جب عبداللہ ابن ابی جیسے رئیس المنافقین کی اس التجا پر بھی آپ ﷺ نے نا نہیں فرمایا بلکہ اس کی التجا کو قبول فرمالیا اور قمیصِ مبارکہ اسے مرحمت فرمائی تو منافقوں کا ایک انبوہِ کثیر جو، ہر وقت ابن ابی کے پاس رہتا تھا، یہ منظر دیکھ کر کہ یہ نابکار ساری عمر مخالفت کرنے کے بعد بھی اپنی بخشش اور نجات کے لیے آپ ﷺ کی قمیص ہی کا سہارا لے رہا ہے، ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اُٹھ گئے اور یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ رسول رحمتِ عالمیان کی بارگاہِ بے کس پناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں منظوری ناممکن ہے۔ تو بجائے اس کے کہ ابن ابی کی طرح حالتِ یاس میں اس نبی کا دامن پکڑنے کی ناکام کوشش کریں، کیوں نہ آج ہی اس پر ایمان لے آئیں۔ اور سچے دل سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی معافی مانگ لیں اور اس کی شفاعت کے مستحق ہوجائیں؟ چنانچہ اسی دن ایک ہزار منافق اس قمیص کی برکت اور قمیص والے کے حُسنِ

خلق سے مشرف باسلام ہوئے۔ ۳۰

اب پڑھئے میرے اعلیٰحضرت کا شعر ؂

کر کے تمہارے گناہ ، مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروروں درود

قریش کا آپ ﷺ کی بارگاہ میں دعا کی التجا کرنا:۔

صحیح بخاری میں حضرت مسروق کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا........ جب قریش نے نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسے سات سالوں کی ان کے لیے دعا مانگی۔ پس اُن کا قحط اور مصیبت سے ایسا سامنا ہوا کہ ہڈیاں تک کھا گئے۔ پس ان میں سے جب کوئی آدمی آسمان کی جانب دیکھتا تو اسے بھوک کی باعث زمین و آسمان کے درمیان دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ....

فارتقب یوم تاتی السمآء بدخان مبین یغشی الناس ھذا عذاب الیم ○ ۳۱

تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا کہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ ہے دردناک عذاب ۳۲

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے ....

یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے مضر (قریش) کے لیے بارش کی دعا کر دیں کیونکہ وہ ہلاک ہو گئے۔

آپ ﷺ نے قریش سے فرمایا کہ تم تو بڑے بہادر بنتے ہو (اب قدرت سے مقابلہ کرو) بہر حال آپ نے بارش کی دعا کی تو ان پر بارش ہوئی۔ ۳۳

اب پڑھئے میرے اعلیٰحضرت کا شعر ؂

کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروروں درود

ماخذ و مراجع

(۱) حدائق بخشش حصہ دوم صفحہ نمبر ۲۲ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
(۲) ایضاً
(۳) ایمان افروز وصایا شریف از مولانا حسنین رضا خاں بریلوی صفحہ نمبر ۲۳ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۴ھ
(۴) پارہ نمبر ۲۶ سورۂ فتح آیت نمبر ۱۔۲
(۵) تفسیر روح البیان
(۶) شانِ حبیب الرحمٰن صفحہ نمبر ۱۶۶ مطبوعہ فاروقیہ بکڈپو، دہلی
(۷) پارہ نمبر ۲۸ سورۂ حشر آیت نمبر ۷
(۸) کنزالایمان
(۹) پارہ نمبر ۷ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۹۲
(۱۰) کنزالایمان
(۱۱) پارہ نمبر ۵ سورۂ نساء آیت نمبر ۶۴
(۱۲) کنزالایمان
(۱۳) تفسیر ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ نمبر ۳۵۹
(۱۴) تفسیر قرطبی
(۱۵) تفسیر ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ نمبر ۳۵۹۔۳۶۰ شانِ حبیب الرحمٰن صفحہ ۴۱
(۱۶) تفسیر البحر المحیط جلد سوم صفحہ نمبر ۶۹۴۔ تفسیر مدارک التنزیل علی ہامش الخازن جلد اوّل صفحہ نمبر ۳۹۹ تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۳۲۸۔ ۳۲۹ الجامع الاحکام القرآن للقرطبی پنجم صفحہ ۲۶۵ کتاب الشامل للشیخ ابو منصور الصباغ۔ وغیرہ۔
(۱۷) نشر الطیب صفحہ نمبر ۲۵۴
(۱۸) آب حیات صفحہ نمبر ۴۰
(۱۹) معارف القرآن جلد دوم صفحہ نمبر ۴۵۹۔۴۶۰ مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی
(۲۰) پارہ نمبر ۱۱ سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۰۲ (۲۱) کنزالایمان
(۲۲) تفسیر جامع البیان جز ۱۱ صفحہ ۱۹ تا ۲۲ ملخصاً تفسیر امام ابن ابی حاتم جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۸۷۲۔۱۸۷۳۔ شانِ حبیب الرحمٰن صفحہ نمبر ۷۹

قرآن میں تضاد نمبر ۱۶

تحریر: خورشید احمد سعیدی، ایم اے تقابلِ ادیان، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

CONTACT: khursheedsaeedi@hotmail.com

تاریخ کے مختلف اُدوار میں یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں جیسے کئی دُشمنانِ اسلام نے قرآنِ مجید کے خلاف اپنی قلبی عداوت کے اِظہار اور مذہبی تعصب کے غلبہ کے لیے جو طریقے اپنائے اُن میں اُن کے قلمی تیر بھی شامل ہیں۔۱، انہوں نے تصانیف و تالیفات کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔۲، اب بھی انواع و اقسام کے ذرائع اِبلاغ مثلاً آڈیو ویڈیو کیسٹیں، کمپیوٹر کی سی ڈیاں، ریڈیو، ٹی وی، ڈش، کیبلز اور انٹرنیٹ جیسے آلات مخالفینِ اسلام کے افکار اور نظریات کو چار دانگِ عالم میں اور تقریباً ہر معروف زبان میں پہنچانے کے لیے ہر وقت استعمال ہو رہے ہیں۔۳۔ یہ متنوع الجہات کام اکیلے فرد کم اور مستقل ادارے زیادہ تعداد میں تسلسل سے کر رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر اِن اَعدائے اسلام بالخصوص عیسائیوں کی کئی ویب سائٹیں قرآنِ مجید کے خلاف کئی موضوعات کے تحت زہریلا مواد مہیا کر رہی ہیں اور اس میں تیزی سے اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک سائیٹ (www.answering-islam.org/quran/contra/) بھی ہے۔ اِس پر داخلی تضادات (Internal Contradictions) کے عنوان کے تحت پچاس مزعومہ تضادات ذکر کیے گئے ہیں۔ جس کا مقصد کم علم لوگوں کو اُلجھن اور پریشانی میں مبتلا کر کے قرآن سے بدگمان اور اسلام سے دُور کرنا ہے۔ اس سلسلے میں دفاعِ دین اور اِعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ کئی مسلمان اَفراد اَور اِدارے سر انجام دے رہے ہیں۔ لیکن اِن کی تمام کوششیں معاندین کی یلغار کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ یہ تحریر بھی احقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کی کوششوں کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔۴ آئندہ سطور میں مذکورہ سائیٹ کے ان مزعومہ تضادات میں سے سولھویں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

نکتۂ اعتراض اور اُس کا پسِ منظر:

قرآنِ مجید اور کُتبِ تواریخ مثلاً بائبل سے یہ ثابت ہے کہ قومِ بنی اسرائیل ایک طویل عرصہ تک مُلکِ مِصر میں رہی۔ یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے دَور میں اور آپ کے بعد اَز وصال کچھ عرصہ تک تو خوشحال زندگی بسر کرتے رہے لیکن بعد میں نئے فرعون اور اُس کی حکومت نے اِن کا جینا دوبھر کر دیا ۵ اللہ تعالیٰ کو اِن پر ترس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کا نجات دِہندہ بنایا گیا۔ اس تاریخی قصے کا

ذکر قرآن مجید کی سورۃ الاعراف: ۱۰۳۔۱۵۷ اور سورۃ طٰہٰ: ۴۲۔۹۸ میں ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہے جبکہ بائبل کی کتاب ''خروج'' میں اس واقعہ کی ضروری اور غیر ضروری دونوں قسم کی تفاصیل درج کی گئی ہیں جو مختلف بائبلوں کی بنیاد پر قدرے مختلف بھی ہو جاتی ہیں۔۶ اس واقعہ کی جزئیات میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو مصر سے نکال کر آ رہے تھے۔ ''جب بحرِ احمر کو عبور کر کے سینا کے بیابان میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے طور پر حاضر ہونے کا حکم دیا تا کہ انھیں ایک کتاب دی جائے۔ جس کے مطابق ان کی قوم اطاعت و انقیاد کی زندگی بسر کر سکے۔ آپ نے روانہ ہونے سے پہلے ساری قوم کو تاکید فرمائی کہ وہ اُن کی غیر موجودگی میں کوئی ناشائستہ حرکت نہ کرے'' ۷۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے چھوڑا اور تشریف لے گئے ۸۔ سامری نامی ایک اسرائیلی شخص نے اسرائیلیوں کا سونا اور زیورات جمع کر کے ایک بچھڑا بنا ڈالا ۹۔ بنی اسرائیل میں سے بعض نے اُسے اپنا معبود مان کر پرستش شروع کر دی۱۰۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اگرچہ اُنہیں اس شرک میں پڑنے سے منع فرمایا لیکن اُنہوں نے آپ کی ہدایات کی پرواہ نہ کی۔ مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آ گئے، اِس گناہِ کبیرہ پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا، ساتھ ہی اَحکامِ الٰہی یاد دِلائے تو اُنہیں اپنے گناہ کا اِحساس ہُوا اور لگے توبہ کرنے۔ اِس اعتراض میں پورے قصے کی صرف اِسی جزئی کا ذکر ہے۔

اعتراض کی عبارت:

The event of worship of the golden calf: The Israelites repented about worshipping the golden calf BEFORE Moses returned from the mountain [7:149], yet they refused to repent but rather continued to worship the calf until Moses came back [20:91]. Does Aron share in their guilt? No [20:85-90], Yes [20:92; 7:151].

ترجمہ: سونے سے بنے بچھڑے کی پوجا کا واقعہ: پہاڑ سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے واپس لوٹ آنے سے پہلے اِسرائیلیوں نے سونے سے بنے بچھڑے کی پرستش سے توبہ کر لی تھی [۷:۱۴۹]، اس کے باوجود یہ بھی ہے کہ انہوں نے توبہ کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے واپس آ جانے تک بچھڑے کی پرستش جاری رکھی [۲۰:۹۱]۔ کیا حضرت ہارون (علیہ السلام) اُن کے جُرم میں شریک تھے؟ نہیں۔ [۲۰:۸۵۔۹۰]، ہاں [۲۰:۹۲؛ ۷:۱۵۱]۔

اعتراض کا تجزیہ:

اِس اِعتراض میں قرآن کی سورۃ نمبر ۷ اور ۲۰ کا حوالہ دیا گیا ہے جو بالترتیب سورۃ الاعراف اور

سورۃ طٰہٰ ہیں۔ معترض نے اِن دو سورتوں کی دس آیات یعنی سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۴۹ اور ۱۵۱ کا اور سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۸۵ تا ۹۲ کا حوالہ دیا ہے۔ اِن آیات میں قصہ کی اِس جزئی کے قرآنی اندازِ بیان میں معترض کو دو تضادات نظر آئے ہیں۔ پہلا تضاد گویا اِس سوال کے سامنے اُسے ملا ہے کہ کیا اِسرائیلیوں نے بچھڑے کی پُوجا جیسے شرک سے توبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی میقات سے واپسی سے پہلے کی تھی یا بعد میں؟ سورۃ الاعراف: ۱۴۹ کے مطابق اُنہوں نے توبہ پہلے کر لی تھی جبکہ سورۃ طٰہٰ: ۹۱ کے مطابق بعد میں۔ اسی 'پہلے یا بعد' کے نکتہ پر زور دینے کے لیے اس نے اپنی عبارت کے لفظ (BEFORE) میں بڑے حروفِ تہجی بھی استعمال کیے ہیں۔ دوسرا تضاد اِس سوال پر اُس کے سامنے آتا ہے کہ کیا حضرت ہارون علیہ السلام بچھڑے کی پُوجا کرنے میں قوم کے ساتھ شریک تھے یا نہیں؟ سورۃ طٰہٰ: ۸۵۔۹۰ کے مطابق آپ اُن کے ساتھ شریکِ گناہِ کبیرہ نہیں تھے جبکہ سورۃ طٰہٰ: ۹۲ اور الاعراف: ۱۵۱ دونوں آیتوں کے مطابق آپ نے بھی بچھڑے کی پُوجا کی تھی۔ آیئے دیکھیں قرآن مجید کے مطابق اصل صورتحال کیا ہے؟

مذکورہ آیات کا سِیاق وسَباق:

معترض نے صحت قرآن اور عصمتِ انبیاء کے بارے میں مسلمانوں کے دو انتہائی اہم عقائد سے متعلق سوال اُٹھائے ہیں۔ اُس کی بات کس حد تک درست ہے؟ واقعہ کی اِس جزئی کی اَصل صورتحال کو سمجھنے کے لیے قرآنِ مجید ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ جب کسی بات یا عبارت کو اس کے سیاق سے نکال کر پیش کیا جاتا ہے تو اس کا معنٰی یا تو بدل جاتا ہے یا پھر سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ معترض نے سورۃ الاعراف اور سورۃ طٰہٰ سے جو آیات پیش کی ہیں باری باری اُن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ترتیب کے مطابق پہلے سورۃ الاعراف اور پھر سورۃ طٰہٰ پر غور کریں گے۔

سورۃ الاعراف: ۱۴۸۔۱۵۲ کا مطالعہ:

معترض نے سورۃ الاعراف :۱۴۹ کا حوالہ دیا ہے کہ اس آیت کے مطابق اِسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس آجانے سے پہلے توبہ کی تھی۔ اسی سورۃ کی آیت ۱۵۱ کا حوالہ دے کر یہ بھی کہا ہے کہ اِس کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی بچھڑے کی پُوجا کی تھی۔ لیکن اِن دونوں آیات کے حقیقی مفہوم کو اِن کے سیاق میں سمجھنے کے لیے کم از کم آیات ۱۴۸۔۱۵۲ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اِن پانچ آیات کو آسانی سے سمجھنے کے لیے درجِ ذیل چار عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ بچھڑے کی پُوجا اور ندامت:

اِس عنوان کے تحت دو آیتیں ہیں، آیت ۱۴۸ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق یہ بتایا ہے

کہ کس طرح اُنہوں نے زیورات سے بنے ہوئے ایک مجسمے کو اپنا معبود مان لیا اور کم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس کی پوجا بھی شروع کر دی۔ اور آیت ۱۴۹ میں اُن کے شعور کا بیدار ہونا اور اظہارِ ندامت کرنا بیان کیا گیا ہے۔قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلاً جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ط اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلاً م اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ o وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْ الا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْلَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ o''

ترجمہ: اور موسیٰ کی اُمت نے ان کے (میقات پر جانے کے) بعد اپنے زیوروں سے بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا لیا جس سے بیل کی (سی) آواز نکلتی تھی کیا انہوں نے (یہ بھی) نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کرسکتا ہے اور نہ انہیں ہدایت کا راستہ دکھا سکتا ہے انہوں نے اُسے (معبود) بنا لیا اور وہ ظالم تھے o اور جب وہ سخت نادم ہُوئے اور سمجھے کہ ہم گمراہ ہو گئے (تو) بولے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمیں نہ بخشے تو بیشک ہم ضرور تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے o

اِن دونوں آیات سے یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ لیکن جب انہیں اپنی گمراہی کی سمجھ آ گئی تو شرمندہ ہو کر کہنے لگے کہ اگر رب تعالیٰ نے انہیں یہ گناہ بخش نہ دیا تو یقیناً وہ تباہ ہو جائیں گے۔ اگرچہ آیت نمبر ۱۴۹ میں لفظِ توبہ استعمال نہیں ہوا لیکن 'وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ' کے الفاظ اُن کی ندامت کو ظاہر کرتے ہیں جو توبہ کی طرف ایک طرح کا اِشارہ ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اُن کی توبہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اُن کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا:

آیت نمبر ۱۵۰ کے دو بڑے حصے ہیں۔ پہلے حصے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غصے و غم سے بھرے جب واپس پہنچتے ہیں تو پہلے اپنی قوم کو مُخاطب کرتے ہیں۔ اس پر قوم نے کیا جواب دیا؟ اس سلسلے میں یہ آیت تو خاموش ہے لیکن سورۃ طٰہٰ: ۸۷۔ ۸۸ میں ان کے دفاعی دلائل مذکور ہیں جو آئندہ سطور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قوم سے مکالمہ کے حصہ دوم میں ''قوم کے مشرکوں کا دفاعی جواب'' کے عنوان کے تحت اپنے مقام پر آ رہے ہیں۔ آیت نمبر ۱۵۰ کے دوسرا حصے میں یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اُن کے بعد اپنے بھائی کا احتساب شروع کیا۔ انہوں نے اپنی صفائی پیش کی جس کا کچھ حصہ

موقع کی مناسبت سے یہاں ذکر کیا گیا ہے اور باقی سورۃ طٰہٰ میں۔ یہاں اُن کا جواب کیا ہے؟ آیتِ ربانی کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا لا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْ بَعْدِىْ ج اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ج وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ ط قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِىْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِىْ ز فَلَا تُشْمِتْ بِىَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِىْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ O"

ترجمہ: اور جب لوٹے موسیٰ اپنی اُمت کی طرف غضب ناک، غمگین ہوکر فرمایا تم نے میرے جانے کے بعد میرے پیچھے کیا ہی بُرے کام کیے کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی؟ اور (موسیٰ نے توارت کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے بے شک (ان) لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھے کہ مجھے قتل کر دیں تو مجھ پر دُشمنوں کو نہ ہنسایئے اور مجھے (ان) ظالم لوگوں کے ساتھ (شامل) نہ کیجئے O

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو باتیں کہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے آپ کی غیر موجودگی میں بہت ہی بُرا کام کیا، دوسرا یہ کہ انہوں نے اپنے رب کے حُکم کے آنے سے پہلے جلد بازی کی جو توراۃ کی صورت میں ملنے والا تھا۔ اس کے بعد آپ نے توراۃ کی تختیوں کو ایک طرف رکھا اور بھائی کی طرف اُسی غصہ کے لہجے میں متوجہ ہوئے۔ اِس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے چار گذارشات پیش کیں۔ دو میں اُنہوں نے اپنے ساتھ بنی اسرائیل کی بدسلوکی بیان کی کہ مشرکوں نے اُنہیں بے بس کر دیا تھا اور آپ کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ اور بقیہ دو میں آپ علیہ السلام سے دو درخواستیں کیں۔ ایک یہ کہ آپ اُن کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہ فرمائیں جس سے دُشمنوں کو اُن پر ہنسنے کا موقع ملے اور دوسرا یہ کہ اُنہوں نے بچھڑے کی پُوجا نہیں کی لہٰذا اُن کو ظالموں یعنی مشرکوں میں شمار نہ کیا جائے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو شرک سے پاک ثابت کرنے والے اِن دلائل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس ردعمل کا اظہار کیا؟ آگے دیکھیے۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا:

آیت نمبر ۱۵۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کے دلائلِ صفائی قبول فرمائے کیونکہ وہ برحق تھے۔ دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

"قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِىْ وَلِاَخِىْ وَاَدْخِلْنَا فِىْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ O"

ترجمہ: موسیٰ نے التجا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی (ہارون) کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت

میں داخل کر اور تُو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ o

اپنے اور بھائی کے لیے طلبِ مغفرت اور حصولِ جنت کی اس دُعا سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کی صفائی پر مطمئن ہو گئے تھے۔ اُن کا یہ اطمینان واضح کر دیتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بچھڑے کے پُجاریوں کا کیا بنا؟ اس کا جواب اگلی آیت میں ہے۔

۴۔ بچھڑے کے پُجاریوں کا انجام:

آیت نمبر ۱۵۲ میں اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کے پُجاریوں کے متعلق اپنا فیصلہ اور مجوزہ سزا کا اِعلان ان الفاظ میں فرمایا: "اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ o"

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا عنقریب ان کے رب کا غضب انہیں پہنچے گا اور ذلت دُنیا کی زندگی میں۔ اور بہتان باندھنے والوں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ o

اس آیت میں بھی صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کر کے شرک کا اِرتکاب کیا انہیں دو نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک یہ کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور دوسرا یہ کہ انہیں اِس دُنیا کی زندگی میں ذِلت و رُسوائی ہوگی کیونکہ مشرکوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اِن کے ساتھ بھی یہی ہوا۔
سورۃ الاعراف : ۱۴۸۔۱۵۲ کا چار عنوانات کے تحت مندرجہ بالا مطالعہ اعتراض میں مذکور دو آیات ۱۴۹ اور ۱۵۲ کے سیاق و سباق کو واضح کر دیتا ہے جس سے اِن دونوں آیات کا اصل مفہوم سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں معترض کی غلط فہمیوں کو ثابت کرنے والے دلائل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایئے لیکن اس سے پہلے سورۃ طٰہٰ سے اعتراض میں پیش کی گئی آیات ۹۱۔۹۲ کا اُن کے سیاق و سباق میں مطالعہ حاضر ہے۔

سورۃ طٰہٰ : ۸۵تا۹۸ کا مطالعہ:

اب آیئے سورۃ طٰہٰ کی آیات ۸۵تا۹۸ کا مطالعہ کریں جن کو سورۃ الاعراف کی مندرجہ بالا آیت ۱۴۹ اور ۱۵۱ سے متضاد ہونا بتایا گیا ہے۔ حسبِ سابق یہاں بھی معاملے کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے سورۃ طٰہٰ کی کم از کم ۸۵تا۹۸ آیات کا دِقتِ نظر سے مطالعہ ضروری ہے کیونکہ متضاد بتائی گئی آیات کو سیاق و سباق کے بغیر صحیح طور پر سمجھنا معترض کے لیے ممکن نہیں تھا۔ سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۸۵ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میقات پر ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ اُن کی قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ جب آپ واپس تشریف لے آئے تو قوم کے اِس شرک پر آپ کو شدید غصہ تھا اور آپ غمگین بھی تھے جیسا کہ سابقہ

سطور میں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۰ کے تحت بھی گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بتا دینے سے جب آپ کو اسرائیلیوں کا سامری کے دھوکہ میں آجانا معلوم ہو چکا تھا تو اس کے بعد آپ کو کوئی شک وشبہ نہیں رہ گیا تھا لیکن تعلیمِ امّت کی خاطر آپ نے مسئلہ کی تحقیق وتفتیش شروع کی تا کہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے آپ ایک زندہ مثال قائم کر دیں۔ اِس حوالے سے آسانی کی خاطر ہم سورۃ طٰہٰ: ۸۵۔۹۸ کی آیات کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کر لیتے ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم، اپنے بھائی، اور سامری سے تحقیقِ احوال کے لیے مکالمہ۔

ا۔قوم سے مکالمہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قوم سے مکالمہ کے لیے یہاں ہمارے پاس سات آیات ۸۶ تا ۹۲ ہیں۔ آسانی کے لیے اِن سات آیتوں کو بھی ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ یعنی آپ علیہ السلام نے مشرک قوم سے غصے بھرے لہجے اور تفتیشی انداز میں کیا کہا؟ قوم نے اپنی صفائی بیان کرنے کے لیے آپ کو کیا ثبوت پیش کیے؟ ان کی صفائی قبول ہوئی یا نہیں؟ تو آیئے ان سوالوں کے جواب تلاش کرتے ہیں۔

حصہ اوّل۔ مشرکوں سے سوال:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قوم سے سوالوں کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے: **فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ o**

ترجمہ: تو موسیٰ نہایت خشمناک غمگین ہو کر اپنی امت کی طرف لوٹے فرمایا اے میری امت کیا تمہارے رب نے تم سے (توراۃ دینے کا) اچھا وعدہ نہ کیا تھا پھر کیا تم پر طویل مدّت گزر گئی تھی یا تم نے چاہا کہ تمہارے پروردگار کا غضب تم پر نازل ہو تو اس لیے تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔ o

اس آیت سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مُشرکوں کو غصّے سے جو کچھ بھی کہا وہ سوال ہی سوال تھے کیونکہ یہی تفتیش و تحقیق کا طریقہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے توراۃ دینے کا ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا کوئی طویل مدّت گزر گئی تھی کہ تم اُس کے ایفائے وعدہ سے مایوس ہو گئے؟ یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر رب تعالیٰ کا غضب نازل ہو اس لیے تم نے میرے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی؟ قوم اِن سوالوں پر خاموش نہ رہی، انہوں نے سزا سے بچنے کے لیے دلائل پیش کیے۔ وہ دلائل کیا تھے؟ اس سوال کا جواب اگلی آیت میں ملتا ہے۔

حصہ دوم۔ قوم کے مشرکوں کا دفاعی جواب:

مشرکین نے اپنے دِفاع میں ایک ہی دلیل دی۔ اُنھوں نے اِس دلیل کی لمبی چوڑی توضیحات بھی کیں تا کہ متوقع سزا سے بچ سکیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَکَ بِمَلْکِنَا وَلٰکِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَۃِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰھَا فَکَذٰلِکَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ o فَاَخْرَجَ لَھُمْ عِجْلاً جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا ھٰذَآ اِلٰھُکُمْ وَاِلٰہُ مُوْسٰی فَنَسِیَ o

ترجمہ: انہوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن (فرعون کی) قوم کے زیورات کے بھاری بوجھ ہم پر لاد دیئے گئے تھے تو (سامری کے کہنے پر) ہم نے انہیں (آگ میں) ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے (اپنے حصہ کے زیورات کو آگ میں) ڈالا۔ o پس اس نے ان کے لیے بچھڑے کا بے جان جسم (بنا کر) نکالا جو بَیل کی (سی) آواز نکالتا تھا تو لوگوں نے کہا یہ ہے تمہارا معبود اور مُوسیٰ کا معبود۔ مُوسیٰ تو بھول گئے۔ o

اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ مشرک لوگوں نے اپنا دفاع کرنے اور خُود کو بَری ثابت کرنے کے لیے بڑے جتن کیے۔ انہوں نے کہا کہ یہ شرک ہمارے اپنے اختیار سے نہیں تھا۔ زیورات کا بڑا بھاری بوجھ تھا جنھیں انہوں نے سامری کے کہنے پر پھینک دیا۔ اُس نے بھی اپنے پھینکے اور پھر سب کو جمع کر کے بچھڑے کی شکل کا ایک مجسمہ بنا ڈالا۔ تب سامری کے چیلے کہنے لگے اَے قوم بنی اسرائیل یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے، موسیٰ تو بھول گئے ہیں کہ اُس کا اور تمہارا معبود یہاں آچکا ہے۔ اِس قسم کی باتوں میں آکر بچھڑے کی پُوجا کی اور شرک کا اِرتکاب کر بیٹھے۔ لیکن ہم آئندہ آیت میں دیکھتے میں ہیں کہ مشرکوں کی ہر طرح کی وضاحت کو ٹھکرا دیا گیا تھا کیونکہ ان میں ایسی کوئی صداقت نہیں پائی گئی جو انہیں بَری الذمہ قرار دینے کے لیے معقول دلیل بن سکے۔

حصہ سوم۔ مشرکوں کے دفاعی مؤقف کی تردید:

آیات ۸۹۔ ۹۱ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اُن کی اپنے مؤقف کے اِثبات کے لیے پیش کی گئی صفائی کو درجِ ذیل چار دلیلیں دے کر ردّ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَفَلاَ یَرَوْنَ اَلاَّ یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلاً لا وَّلاَ یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا وَّلاَ نَفْعًا o وَلَقَدْ قَالَ لَھُمْ ھٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِہٖ وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْآ اَمْرِیْ o قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْہِ عٰکِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی o

ترجمہ: تو کیا یہ لوگ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے کہ وہ انہیں کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ وہ ان کے

لیے کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ کسی نفع کا۔o اور بے شک ہارون نے پہلے ہی ان لوگوں سے فرما دیا تھا کہ اے میری قوم اس (بچھڑے) کے ذریعے تمہیں صرف آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب رحمٰن ہے تو میری اتباع کرو اور میرا حکم بجالاؤ o وہ بولے ہم تو اِسی (کی پُوجا) پر جمے بیٹھے رہیں گے جب تک مُوسیٰ ہمارے پاس لوٹ کر نہ آئیں o

ان آیات کی یہ بات سب سے اہم لگتی ہے کہ مشرکوں کے مؤقف کو ردّ کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ یہ ڈھانچہ انہیں کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا؟ کیا انہیں اتنا علم بھی نہیں تھا کہ یہ مجسمہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا؟ کیا انہیں اتنا پتہ بھی نہیں تھا کہ انسانی ہاتھوں سے بنا یہ بے جان بُت انہیں کسی قسم کا نفع پہنچانے کا مالک نہیں ہے؟ اس کے علاوہ مشرکوں کا جھوٹ اس حقیقت سے بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ انہیں تو حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی منع کیا تھا۔ فرمایا تھا کہ اس شرک میں نہ پڑو بلکہ میری اتباع کرو اور میرا کہنا مانو۔ انہوں نے آپ کی نصیحتوں کو پسِ پشت ڈال کر حماقت کی اور کہا تھا کہ ہم تو اِسی پر جمے رہیں گے جب تک موسیٰ علیہ السلام لوٹ نہیں آتے۔

سورۃ طٰہٰ: ۸۶ تا ۹۲ کے مذکورہ بالا تین حصوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مشرکین کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی صفائی بیان کریں۔ انہوں نے شرک کے انجام سے بچنے کے لیے جو لمبی چوڑی وضاحتیں کیں وہ بے اصل ہونے کی وجہ سے ردّ کر دی گئیں۔ ان کی سزا کیا مقرر ہوئی؟ اس کا ذکر سورۃ البقرہ: ۵۴ کے حوالے سے آئندہ سطور میں اپنے مناسب مقام پر آئے گا۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ بنی اسرائیل کے مشرکوں کی صفائی کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بھی بیان فرمائی کہ حضرت ہارون علیہ السلام خود بھی شرک سے محفوظ رہے اور اِن مشرکوں کو بھی منع کرتے رہے۔ یہ حقیقت اس لیے بھی ذہن نشین رہے کہ یہ آیت اگلی آیت کا مقدمہ ہے جسے معترض نے آپ علیہ السلام کو مشرک ثابت کرنے کے لیے پیش کیا تھا۔ بہر حال یہاں تک تفتیش کا پہلا مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور دوسرے مرحلے کی کاروائی شروع ہوتی ہے۔

۲۔ بھائی سے مکالمہ:

دوسرے مرحلے کی تفصیل جاننے کے لیے ہمارے پاس یہاں آیات ۹۲ تا ۹۴ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی کے درمیان مکالمہ کو پیش کرتی ہیں۔ اس میں آپ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے کیا فرمایا؟ اور اُنہوں نے کیا جواب دیا؟ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

قَالَ یٰھٰرُوْنُ مَا مَنَعَکَ اِذْ رَاَیْتَھُمْ ضَلُّوْآ o اَلَّا تَتَّبِعَنِطاً فَعَصَیْتَ اَمْرِیْ o قَالَ یَبْنَؤُمَّ لاَ تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ج اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ o

ترجمہ: (موسیٰ نے واپس آ کر) فرمایا اے ہارون جب آپ نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو کیا چیز آپ کومانع ہوئی o کہ آپ نے میری اتباع نہ کی کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ o (ہارون) بولے اے میری ماں کے بیٹے (پیارے بھائی) میری داڑھی اور میری سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے بے شک مَیں ڈرا کہ (زیادہ سختی کروں تو) آپ کہیں گے تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا اِنتظار نہ کیا۔ o

ان تین آیتوں کی پہلی دو میں اللہ تعالیٰ نے اُن باتوں کا ذکر کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر غصہ سے پوچھی تھیں۔ آپ نے یہ سوال اِنہی تین باتوں کی بابت فریضہ خلافت کی ادائیگی کے متعلق کیا۔ یہ تین باتیں اوپر مذکور قرآنی الفاظ اور اُس کے واضح ترجمے سے بہ آسانی معلوم کی جاسکتی ہیں۔ اس فریضہ کے سلسلے میں حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ مَیں بے گناہ ہوں۔ میں ڈرا کہ بزورِ بازو اُنہیں شرک سے روکنے کی کوشش کرتا ہوں اور زیادہ سختی کرتا ہوں تو آپ فرمائیں گے کہ میں نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور آپ کی بات کا انتظار نہ کیا۔ لیکن آپ کی اِس وضاحت کا کیا بنا؟

حضرت ہارون علیہ السلام کے موَقف کی قبولیت:

حضرت ہارون علیہ السلام کیونکہ اپنے دِفاع میں سچے تھے اس لیے اپنے حق میں ان کی صفائی کو نہ اللہ تعالیٰ نے ردّ کیا اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُنہیں غلط کہا۔ جونہی آیت نمبر۹۴ ختم ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وضاحت کو ردّ کرنے کے لیے کوئی آیت نہیں ملتی۔ حالانکہ بنی اسرائیل کے مشرکوں کی دفاعی دلیل کے ذکر کے فوراً بعد ایسی دو آیتیں ہیں جو ان کی تمام وضاحتوں کو ردّ کر دیتی ہیں۔

تحقیق اَحوال کا دوسرا مرحلہ بھی ختم ہوا۔ اس کے بعد تیسرا اَور آخری مرحلہ شروع ہوتا ہے جس میں اب سامری کی باری ہے۔ اس مرحلے کی تفصیل کے لیے دو آیتیں ہیں۔

۳۔ سامری سے مکالمہ:

اِس آخری مرحلے کو بیان کرنے والی آیات ۹۵ تا ۹۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سامری کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اس مرحلے میں تین پہلو نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ علیہ

السلام نے اُسے کہا کہ وہ اِس فتنہ کو کھڑا کرنے کے پسِ پردہ اپنی اصل غرض بیان کرے۔ دوسرا یہ کہ اسے بھی صفائی بیان کرنے کا موقع فراہم کیا اور تیسرا یہ کہ جب اس نے اپنی صفائی دینے کی بجائے اعتراف جُرم کرلیا تو اس کی سزا کا اعلان فرمایا جسے موقع پر ہی نافذ کر دیا۔ اصل الفاظ ذیل میں دیکھئے۔

سامری سے سوال اور اس کا جواب:

آیت نمبر ۹۵ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری سے مختصر سوال مذکور ہے اور آیت ۹۶ میں اعتراف جُرم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ فَمَا خَطْبُکَ یٰسَامِرِیُّ O قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ کَذٰلِکَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ O

ترجمہ: (موسیٰ نے سامری سے) فرمایا اے سامری تیرا کیا حال ہے۔O اس نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دُوسروں نے نہ دیکھی (مجھے گھوڑی پر سوار جبریل نظر آئے) تو میں نے (جبریل) رسول (کی سواری) کے نقشِ قدم (کی مٹی) سے ایک مٹھی بھر لی پھر میں نے اس کو (بچھڑے کے پتلے میں) ڈال دیا اور اِسی طرح (یہ کام) میرے دل کو بھلا معلوم ہُواO

اگر سابقہ مراحل اور اس مرحلہ کی آیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے تحقیقِ اَحوال کے لیے کئی سوال کیے، اپنے بھائی سے بھی مختلف سوال کیے لیکن جب سامری کی باری آئی تو صرف ایک سوال پوچھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی آگاہ فرما دیا تھا جیسا کہ طٰہٰ: ۸۵ سے واضح ہے اور بنی اسرائیل کے جواب سے بھی یہ سامنے آیا تھا کہ اُنہوں نے بچھڑے کی پُوجا تو ضرور کی تھی لیکن اِسے بنایا سامری ہی نے تھا۔ لہٰذا ایک ہی سوال ہوا کہ اے سامری اس فتنہ انگیزی سے اپنی غرض بتاؤ؟ اعترافِ جُرم کے سوا اُس کے سامنے کوئی اور راستہ نہیں رہ گیا تھا اس لیے اُس نے کہا کہ یہ کام میں نے اس لیے کیا کہ میرے دل کو اچھا لگا۔ اس پر درج ذیل آیت میں اس کی سزا کا ذکر ہے۔

سامری کی سزا اور بچھڑے کا انجام:

تمام تحقیقی اور تفتیشی مراحل اپنے اختتام کو پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس سزا کا اعلان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر سورۃ طٰہٰ: ۹۷ میں اِن الفاظ میں فرمایا:

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَکَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ج وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰهِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاکِفًا ط لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًاO

ترجمہ: فرمایا تو (اب) دفع ہو جا (یہاں سے) تو یقیناً اب زندگی بھر تیری سزا یہ ہے کہ تو کہتا پھرے

(خبردار مجھ سے) نہ چھونا اور بے شک اس کے علاوہ تیرے لیے (آخرت میں عذاب کا) وعدہ ہے جو ہرگز تجھ سے نہ ٹلے گا اور اپنے معبود کو دیکھ جس کی پُوجا میں جم کر بیٹھا رہا یقیناً ہم اسے جلا کر ضرور بھسم کر دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو (اُڑا کر) دریا میں بہا دیں گے۔o

جب تحقیق اپنے نتیجے تک پہنچ گئی اور فتنے کی جڑ کا پتا سب کو چل گیا تو سامری کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا؟ مشہور مفسر حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآنی الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آپ نے اس کو اپنے گروہ سے خارج کر دیا اور سب کو تاکید کی کہ اس کے ساتھ نشست و برخاست، بول چال، لین دین سب بند کر دیں۔ اور اس کے دل میں بھی لوگوں سے وحشت اور نفرت پیدا ہوگئی۔ جنگل میں اسی طرح تنہا راندہ ہوا گھومتا رہا یہاں تک کہ مر گیا۔''[۱۱]

اختتامِ تحقیق پر ایک خاص اعلان:

جس اہم عقیدے اور تعلیمِ الٰہی کی خاطر یہ تمام تحقیق اور تفتیشی اِقدامات کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی، جو تمام انبیاء اور رسولوں کی تعلیمات کا بنیادی اور لازمی حصہ ہے اور جس کے لیے عدل و انصاف کے تمام تقاضے سامنے رکھے گئے اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ میں ناقابلِ ترمیم اور ابدی اعلان فرمایا:

اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًاo

ترجمہ: تمہارا معبود صِرف اللہ ہے جس کے سِوا کوئی پُوجا کے لائق نہیں اس نے اپنے عِلم سے ہر چیز کا احاطہ کر لیا۔o

بچھڑے کو جلا کر اُس کا نام و نشان مٹا دیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے ایک بار پھر اعلان کیا کہ تمہارا معبود صِرف اللہ ہے جس کے سِوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسی نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

سورۃ الاعراف: ۱۴۸۔۱۵۲ اور سورۃ طٰہٰ: ۸۵۔۹۷ کے مندرجہ بالا مطالعے سے اعتراض میں بطورِ دلیل پیش کی گئی آیات کا مفہوم ایک بار پھر پڑھ لیجیے کیونکہ اس سے مزعومہ تضاد کی حقیقت پر کافی روشنی پڑتی ہے اور اعتراض میں مذکور دونوں تضادات کے اِزالے کے لیے آئندہ صفحات میں پیش کیے گئے دلائل کو سمجھنے میں کافی مدد بھی ملے گی۔

پہلا مزعومہ تضاد اور اُس کا اِزالہ:

جیسا کہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے معترض نے پہلا سوال یہ اُٹھایا تھا کہ کیا اِسرائیلیوں نے

بچھڑے کی پُوجا جیسے شرک سے تُوبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی میقات سے واپسی سے پہلے کی تھی یا بعد میں؟ سورۃ الاعراف: ۱۴۹ کے مطابق اُنہوں نے توبہ پہلے کرلی تھی جبکہ سورۃ طٰہٰ: ۹۱ کے مطابق بعد میں۔ چونکہ ایک تاریخی قِصہ سے متعلق ایک ہی سوال کے لیے قرآن کی دو سورتوں سے دو مختلف جواب ملتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن میں تضادات پائے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اگر اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہوتا تو اس میں تضادات نہ ہوتے۔

درحقیقت معترض کو یہ آیات اس لیے متضاد نظر آئیں کہ اُس نے قرآن مجید کو بائبل کی طرح تاریخِ عالم پر کُتب جیسی ایک کتاب سمجھ لیا۔ تاریخِ اَقوامِ عالم کی کُتب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ماضی میں رونما ہونے والے واقعات کو اُن کی ترتیبِ وقوع، جائے وقوع اور اُن میں شریک اَفراد و اَقوام کے ریکارڈ کے ساتھ مرتب اور محفوظ کر دیا جائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ تاریخی کُتب میں مذکور ہر بات مستند اور ردّو بدل سے محفوظ ہو لہٰذا اس حوالے سے نہ تو خود قرآن اور مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کریم بائبل کی طرح تاریخی قصوں کی ایک کتاب ہے اور نہ ہی وہ کسی ایسے نظریے کو سچا مانتے ہیں جو قرآن مجید کو اس نوع کی کتاب بتائے۔ البتہ یہ بات ہے کہ قرآن مجید سابقہ اُمم اور تاریخی اَقوام اور ان کے قِصوں کو زیرِ بحث ضرور لاتا ہے لیکن ماضی کے اُن قصوں کو زیرِ بحث لانے میں قرآن کے مقاصد کچھ اور ہیں۔ وہ کیا ہیں؟

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"The Qur'anic method of complete or partial transformation of legends in order to besoul them with new ideas, and thus to adapt them to advancing spirit of time, is an important point which has nearly always been overlooked both by Muslim and non-Muslim students of Islam. The object of the Qur'an in dealing with these legends is seldom historical; it nearly always aims at giving them a universal moral or philosophical import. And it achieves this object by omitting the names of persons and localities which tend to limit the meaning of a legend by giving it the colour of a special historical event, and also by deleting details which appear to belong to a different order of feeling. This is not an uncommon method of dealing with legends. It is common in non-religious literature. An instance in point is the legend of Faust, to which the touch of Goethe's genius has given a wholly new meaning." (12)

ترجمہ: قرآن مجید کا یہ انداز کہ قصص میں جزوی یا کلی تبدیلیوں سے اُن کو نئے نئے خیالات کا حامل بنایا جائے، تاکہ وہ زمانے کی بڑھتی ہوئی رَو کا ساتھ دے سکیں، ایک بڑا اہم نکتہ ہے جس پر مسلمان ہوں یا غیر مسلمان، اسلام کے مطالعے میں کسی نے پوری توجہ نہیں کی۔ قرآن مجید میں جب کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے تو اس سے مقصد بالعموم یہ نہیں ہوتا کہ کسی تاریخی واقعے کا ذکر کیا جائے۔ اس سے عام طور پر کوئی عالمگیر اخلاقی سبق دیا جاتا، یا کوئی عالمگیر فلسفیانہ حقیقت اُجاگر کی جاتی ہے۔ لہٰذا قرآن پاک نہ تو افراد کے ناموں کا ذکر کرتا ہے، نہ ہی مقامات کا۔ ناموں کے استعمال سے قصے عموماً تاریخی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور اُن کے معنی بھی محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ قرآنِ پاک اُن جزئیات کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے جن کا تعلق جذبات و احساسات کے کسی مخصوص عالم سے ہو۔ قصوں سے فائدہ اُٹھانے کا یہ طریق کچھ ایسا شاذ نہیں۔ غیر مذہبی ادب میں تو اس کی مثالیں عام ہیں، مثلاً فاوسٹ ہی کی داستان ہے جسے گوئٹے کی ذہانت و فطانت نے بالکل نئے معنی پہنا دیئے۔ ۱۳

علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ کا یہ بیان زیر بحث اَمر پر اگرچہ براہِ راست کوئی تبصرہ نہیں ہے لیکن سابقہ اُمتوں کے قصوں کو بیان کرنے میں قرآنی مقاصد کو ضرور واضح کر دیتا ہے جس سے ہمیں زیر مطالعہ مسئلہ کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ قرآنِ مجید کے انہیں اغراض و مقاصد کو دورِ حاضر کے معروف مفسر قرآن ضیاء الملت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی بیان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے وہ یہ کہ قرآن جن واقعات کا ذکر کرتا ہے اس سے مقصود صرف عبرت و موعظت ہوتی ہے اس سے اِس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلوب نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن اِن واقعات کے صرف ان پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں درسِ عبرت ہو۔ عموماً غیر ضروری تفصیلات کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی اِس خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ قصصِ قرآنی میں تاریخی کتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اُور زمان و مکان کا تعین نہیں پاتے تو وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔''

(ضیاء القرآن ج ۱، ص ۵۹)

قرآنی مقاصد کے اسی نکتہ کے بارے میں مزید آپ علیہ الرحمۃ سورۃ الکہف: ۹ میں مذکور اصحابِ کہف کے واقعہ کی توضیح کے اختتام پر رقم فرماتے ہیں:

> ''قرآنِ کریم نے اصحاب کہف کے واقعہ کا وہ پہلو ذکر کیا ہے جو ہمارے لیے ہدایت کا

درس رکھتا ہے باقی اس کے زمان ومکان وغیرہ تفصیلات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ہر واقعہ کے بیان میں قرآن کریم کا اسلوب یہی ہے اور یہی ایک ایسی خصوصیت ہے جو قرآن حکیم کو تاریخ کی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے مقصود داستان سرائی نہیں۔ بلکہ عبرت آموزی اور بصیرت افروزی ہے۔ صحیح احادیث میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات مذکور نہیں۔" (ضیاء القرآن، ج۲، ص۱۵)

اب حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اس جزوِ قصہ کے متعلق مفسرینِ قرآن کا مؤقف ملاحظہ کیجیے تاکہ عموم کے بعد خصوص اصل بات کو صاف طور سامنے لے آئے۔

امام ابو سعود محمد بن محمد العمادی لکھتے ہیں: "وما حكى عنهم من الندامة والرؤية والقول وان كان بعد ما رجع موسى عليه السلام اِليهم كما ينطق به الآيات الواردة فى سورة طه لكن اُريد بتقديمه عليه حكاية ما صدر عنهم من القول و الفعل فى موضع واحد" [۱۴]

یعنی سورۃ الاعراف میں بنی اسرائیل کی جو شرمندگی، سمجھ اور اقرارِ گناہ بیان کیا گیا ہے وہ اگر چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان کی طرف واپسی کے بعد ہوا تھا جیسا کہ سورۃ طٰہٰ کی آیات واضح کرتی ہیں لیکن یہاں اُسے آپ کی آمد پر مقدم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان سے صادر ہونے والے قول وفعل کو ایک جگہ بیان کر دیا جائے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں لکھتے ہیں: "یہ ندامت و استغفار کا واقعہ حضرت موسیٰ کی واپسی کے بعد کا ہے ...اور قرآن مجید کا عام اسلوبِ بلاغت ہی یہ ہے کہ واقعات کی تقدیم وتاخیر کا اعتبار کیے بغیر وہ نتائج اور عبرتوں کو درمیان میں لے آتا ہے۔" [۱۵]

علامہ عبداللہ یوسف علی نے قرآن مجید کی انگریزی زبان میں ایک تفسیر لکھی ہے۔ وہ اُس میں اِسی حوالے سے قرآنی مقاصد پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"The making of the golden calf and its worship by the Israelites during the absence of Moses on the Mount were refferred to in ii. 51 and some further details are given in xx. 85-97. Notice how in each case only those points are refferred to which are necessary to the argument in hand. A narrator, whose object is mere narration, tells the story in all its details, and is done with it. A consummate artist, whose object is to enforce lessons, brings out each point in its proper place. Master of all details, he does not ramble, but with supreme literary skill, just adds the touch that

is necessary in each place to complete the spiritual picture. His object is not a story but a lesson." (16)

ترجمہ: سورۃ البقرۃ: ۵۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ پر چلے جانے کے بعد، آپ کی غیر موجودگی میں سونے کا بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اس کی پوجا کرنا ذکر کیا گیا ہے اور اُس کی مزید تفصیل سورۃ طٰہٰ: ۸۵۔۹۷ میں بیان کی گئی ہے۔ غور کیجیے ہر مقام پر صرف وہ نکات کیسے بیان کیے جاتے ہیں جو مدِ نظر دلیل کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ایک قصہ نگار جس کا مقصد محض قصہ گوئی ہوتا ہے، قصے کو اس کی تمام تفاصیل سمیت بیان کرتا ہے مگر ایک ماہر فن کار جس کا ہدف سبق آموز باتوں کو نافذ کرنا ہوتا ہے وہ ہر نکتے کو اس کی خاص جگہ پر لاتا ہے۔ تمام تفاصیل کا مالک و ماہر لمبی چوڑی باتوں کے انبار نہیں لگاتا بلکہ انتہائی اعلیٰ درجے کی اَدبی مہارت کے ساتھ روحانی سبق کی تصویر کو مکمل کرنے کی خاطر ہر جگہ صرف ضروری اشارہ کر کے آگے گزر جاتا ہے کیونکہ اس کی غرض قصہ گوئی نہیں بلکہ سبق آفرینی ہوتی ہے۔

علاّمہ ڈاکٹر محمد اقبال اور مفسرینِ قرآن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی اِن توضیحات سے اُممِ سابقہ کے قصوں کو بیان کرنے میں قرآنِ مجید کا مزاج، انداز اور مقاصد واضح ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ قرآنِ مجید عقلِ انسانی کی خامہ فرسائی کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی کوئی کتاب نہیں ہے کہ مصنف بھول گیا، اس کی توجہ برقرار نہ رہ سکی اور خیالات کے منتشر ہو جانے کی وجہ سے وہ متضاد بیانات اپنی تحریر میں دَرج کرتا گیا۔ کلام اللہ میں اِس قصہ کے مشرک اسرائیلیوں کی توبہ کے ذکر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر مقدم کرنے کا ایک خاص مقصد تھا جس کی وجہ سے عمداً تاریخی ترتیب کو نظر انداز کیا گیا ہے، جب قرآن تاریخِ عالم یا قصوں کی کوئی کتاب نہیں ہے تو اس کے اِس اندازِ بیان کو تضاد کہنا ایک غلط نظریہ ہے۔

دوسرے مزعومہ تضاد کا تجزیہ اور اِزالہ:

معترض کے مطابق دوسرا تضاد اس سوال پر اُبھرتا ہے کہ کیا حضرت ہارون علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی طرح بچھڑے کی عبادت کر کے شرک کے مرتکب ہوئے تھے یا نہیں؟ معترض کا دعویٰ یہ ہے کہ سورۃ طٰہٰ: ۸۵۔۹۰ کی روشنی میں تو آپ نے شرک نہیں کیا لیکن سورۃ طٰہٰ: ۹۲ اور سورۃ الاعراف: ۱۵۱ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ شرک کے مرتکب ہوئے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن میں تضاد ہے۔

لیکن یہ مزعومہ تضاد اُسی صورت میں حقیقی تضاد ہوگا جب حضرت ہارون علیہ السلام کا مُشرک ہونا ثابت ہو جائے۔ اگر آپ کا شرک ثابت نہ ہوا تو یہ کوئی حقیقی تضاد نہیں ہوگا بلکہ یہ بے بنیاد اور بلا دلیل دعوٰی ہوگا جس کی علمی دُنیا میں کوئی وقعت نہیں۔ درحقیقت ''انبیاء کی بعثت کا مقصدِ اوّلین تھا ہی یہی کہ وہ

اِنسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اُور دُوسروں کی عبادت سے منع کریں۔ تو یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا اِرتکاب خود کریں یا کسی کو اِجازت دیں۔" (ضیاء القرآن ج ا، ص ۴۸)

آئندہ سطور کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جائے گا کہ جن قرآنی آیات کو معترض نے اثباتِ شرک کے لیے پیش کیا تھا وہ آیات تو نفیٔ شرک کے دلائل ہیں۔ وہ تو معترض کے دعویٰ کو تقویت دینے کی بجائے اُسے جھوٹا ثابت کرتی ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ عقیدہ درست ہے کہ نہ صرف آپ بلکہ تمام انبیاء اور رُسُل علیہم السلام ہر قسم کے شرک سے دُور ہوتے ہیں وہ دُنیا سے کفر و شرک کی جڑیں کاٹنے کے لیے آتے ہیں نہ کہ مشرکین کے ساتھ مل کر اسے تقویت پہنچانے کے لیے۔

سورۃ طٰہٰ: ۹۲ اور سورۃ الاعراف: ۱۵۱ کی ایک واضح خصوصیت یہ ہے کہ اِن میں معترض کے دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لیے صراحۃً تو کوئی لفظ بھی نہیں جس سے معلوم ہو کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے واقعی شرک کیا تھا۔ لہٰذا اُس کے سامنے اِجتہاد اور قیاس کا راستہ باقی رہ جاتا ہے لیکن یہ اجتہاد بھی ایسا ہے جس پر اس کے پاس کوئی قابلِ ذکر دلیل تھی ہی نہیں ورنہ وہ اسے ضرور بیان کرتا۔ اب ملاحظہ کیجیے کہ یہ آیات اثباتِ شرک پر دلائل کیوں نہیں؟ اور نفیٔ شرک پر براہین کس طرح ثابت ہوتی ہیں؟

نفیٔ شرک کی پہلی دلیل:

معترض کے دعویٰ کو سب سے پہلے تو طٰہٰ: ۹۰۔۹۱ ہی رد کر دیتی ہیں کیونکہ اِن کی روشنی میں آپ کا شرک سے بَری ہونا خود معترض نے بھی تسلیم کیا ہے۔ آئندہ امور کی بہتر فہم کے لیے انہیں ایک بار پھر غور سے مطالعہ کرنا چاہیے جنہیں سابقہ صفحات میں "حصہ سوم۔ مشرکوں کے دفاعی مؤقف کی تردید" کے عنوان کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔ آیت نمبر ۹۰ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے شرک میں پڑنے والوں کو تین باتیں کہیں جو یہ تھیں۔ (۱) "یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ" "اے میری قوم تمہیں آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ اس میں ناکامی سے بچنے اور کامیابی پانے کے لیے (۲) "فَاتَّبِعُوْنِیْ" "میری اتباع کرو اور (۳) "اَطِیْعُوْآ اَمْرِیْ" "میرا حکم بجالاؤ۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ نے بھی بچھڑے کی پُوجا کی تھی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اُنہیں کس آزمائش میں ناکامی سے بچنے کے لیے "میری اتباع کرو اور میرا حکم بجالاؤ" کہا؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے کس لیے 'فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْآ اَمْرِیْ' فرمایا؟ اگر جواب یہ ہو کہ آپ یہ کہہ کر شرک سے باز رہنے کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے جو کہ درست بات ہے، تو خُود آپ بھی شرک سے پاک ثابت ہوئے۔ اگر جواب یہ ہو کہ آپ اِن

الفاظ سے انہیں شرک کی دعوت دے رہے تھے جو کہ غلط فہمی ہوگی، تو یہ سوال اپنا جواب طلب کرے گا کہ اگلی متصل آیت نمبر۹۱ میں مشرک اسرائیلوں نے 'لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ' کہ ہم تو اِسی (کی پُوجا) پر جمے بیٹھے رہیں گے جب تک موسیٰ ہمارے پاس لَوٹ کر نہ آئیں' کیوں اور کس مقصد کے تحت کہا تھا؟

ان دونوں آیات کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص الفاظ میں بتایا ہے کہ یہی باتیں حضرت ہارون علیہ السلام نے اسرائیلیوں کو منع کرتے وقت کہی تھیں۔ اس کی دلیل آیت ۹۰ کے ابتدائی الفاظ ''وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ '' ''اور بے شک ہارون نے پہلے ہی ان لوگوں سے فرما دیا تھا'' ہیں۔ اس سے ثابت ہوا وہ ذات 'جسے چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنانے کی وجہ سے ایک انسان مشرک ہو جاتا ہے اُس نے خود اپنے نبی کو شرک سے بَری قرار دیا ہے۔ کیا قرآن عطا فرمانے والا جلدی جلدی بھول جانے والوں کی طرح ہے کہ آیت نمبر۹۰۔ ۹۱ میں تو حضرت ہارون علیہ السلام کو شرک سے پاک بتایا اور اگلی متصل آیت میں بلا تاخیر اُنہیں مشرک بنا دیا؟

نفیِ شرک کی دوسری دلیل:

سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر۹۲ جسے گذشتہ صفحات میں ''۲۔ بھائی سے مکالمہ'' کے تحت ذکر کر آئے ہیں، کو معترض نے دلیلِ شرک بتایا گیا ہے، اس میں دو فعل ذکر ہوئے ہیں۔ ایک حضرت ہارون علیہ السلام کا اسرائیلیوں کو شرک میں پڑتے دیکھنا ہے جس کے لیے لفظ رَأَيْتَهُمْ مذکور ہے۔ اس کا پہلا جزو 'رَأَيْتَ' واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کے استعمال سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو مخاطب کیا ہے اس خِطاب میں باقی اسرائیلی شامل نہیں ہیں۔ دوسرا فعل اسرائیلیوں کا شرک کر کے گمراہ ہونا ہے۔ یہ مفہوم ہمیں لفظ ضَلُّوْا سے ملتا ہے جو کہ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس سے شرک میں مبتلا اسرائیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں حضرت ہارون علیہ السلام شامل نہیں ہیں کیونکہ انہیں لفظ 'رَأَيْتَ' سے پہلے ہی مُخاطب کیا جا چکا ہے۔ معلوم ہوا کہ فعلِ شرک میں حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے ساتھ نہیں ہیں۔ اگر آپ بھی شرک کا ارتکاب کر چکے ہوتے تو آیت شاید یوں ہوتی: ''قَالَ يٰهٰرُوْنُ لِمَاذَا ضَلَلْتَ مَعَهُمْ '' یا ''قَالَ يٰهٰرُوْنُ لِمَاذَا ضَلَلْتُمْ '' کہ اے ہارون آپ ان کے ساتھ گمراہ کیوں ہو گئے؟ یعنی 'ضَلُّوْا' صیغہ غائب کی بجائے 'ضَلَلْتُمْ' صیغہ جمع حاضر سے مخاطب کیا جاتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ شِرک کی وجہ سے گمراہی کی نسبت جو بنی اِسرائیل کی طرف کی گئی ہے اُس میں آپ شامل نہیں ہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ آپ مشرکین میں سے نہیں تھے تو قرآنی آیات میں تضاد کا دعویٰ بھی غلط ثابت ہوا۔

نفیِ شرک کی تیسری دلیل:

سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۸۵ کے الفاظ ''اَضَلَّھُمُ السَّامِرِیُّ '' کہ ''سامری نے انہیں گمراہ کردیا'' اور آیت نمبر ۹۲ کے لفظ ''ضَلُّوْا'' کہ ''وہ گمراہ ہوگئے'' سے صاف ظاہر ہے کہ گمراہ کرنے والا سامری اور گمراہ ہونے والے اسرائیلی تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے نہ کسی کو گمراہ کیا اور نہ خود گمراہ ہوئے۔ غالباً اگلی آیت طٰہٰ: ۹۳ میں معترض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انداز گفتگو اور انتخابِ الفاظ کو سمجھ نہیں پایا ہے۔ حالانکہ اس آیت کے الفاظ شرک کی طرف جانے والے کسی بھی وَہم وگمان کو روک دیتے ہیں۔ اس آیت میں دو جملے ہیں۔ پہلا جملے کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو غصہ بھرے انداز میں فرمایا ''اَلَّا تَتَّبِعَنِ ''تمہیں میری پیروی سے کس چیز نے روکا' اور دوسرے جملے کے ذریعے یہ سوال کیا کہ 'اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ' 'کیا تو نے میری نافرمانی کی؟'۔

پہلے جملے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اُنہی کا طریق کار کیوں نہ اختیار کیا، اگر مسلسل سمجھانے کے باوجود یہ لوگ شرک سے اِجتناب نہیں کررہے تھے تو آپ علیہ السلام نے اُن ظالموں سے جُدائی اختیار کیوں نہ کرلی، جب آپ علیہ السلام کی کسی بھی نصیحت کا اثر وہ قبول نہیں کررہے تھے۔ تو آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کیوں نہ چلے آئے تاکہ جہاں آپ کا ان سے علٰیحدہ ہوجانا ان کے حق میں زجر وتوبیخ ہوتا وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلدی اطلاع ہوجاتی اور وہ آکر گمراہ قوم کا فوراً علاج کرتے کیونکہ شرک تو ظلم عظیم ہے۔ ایک رسول کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ اس کی قوم اس گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہوتی رہے اور وہ اُس کا فوری تدارک نہ کرے۔ یہی مفہوم ہمیں مفسرین کرام کے ہاں بھی ملتا ہے۔

۱۔ حضرت علاّمہ آلوسی علیہ الرحمۃ نے اَلَّا تَتَّبِعَنِ کا معنی یہ لکھا ہے: ''ای شیٔ منعک حین رؤیتک لضلالھم من أن تتبعنی وتسیر بسیری فی الغضب للّٰہ تعالیٰ والمقاتلۃ مع من کفر بہ'' ۲

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ جب آپ نے ان کی گمراہی دیکھی تو آپ میری پیروی کرتے ہوئے اللہ کی خاطر ان پر غضب ناک ہوجاتے اور اُس کے ساتھ کفر کرنے والوں کے ساتھ قتال کرنے میں آپ میرا طریقہ اختیار کرتے۔ کس چیز نے آپ کو ایسا کرنے سے روکا؟

۲۔ حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اسرائیلیوں کے ارتکابِ شرک پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو کہا کہ اے ہارون تم میرے پیچھے آتے اور مجھے خبر دیتے یعنی جب انہوں نے تمہاری بات نہ مانی تھی تو تم مجھ سے کیوں نہیں آملے کہ تمہارا اُن سے جُدا ہونا

بھی ان کے حق میں ایک زجر ہوتا۔ ۱۸

مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس لیے ناراض نہیں ہوئے تھے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نعوذ باللہ مشرک ہوگئے تھے۔ بلکہ اس کی وجہ وہ تھی جسے معترض سمجھ نہیں سکا یا اس نے سمجھنا نہیں چاہا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس وجہ کو سمجھ گیا ہو لیکن اُلجھن اور پریشانی پیدا کرنے کے لیے اعتراض گھڑا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

نفیٔ شرک کی چوتھی دلیل:

سورۂ طٰہٰ: ۹۳ کا دوسرا جملہ تو اثباتِ شرک کے حق میں ایک سدِ باب ہے۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی پر شرک کا الزام نہیں لگایا بلکہ ایک سوال کیا ہے کہ 'أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي' 'کیا تو نے میری نافرمانی کی؟' یہ سوال اس لیے کیا کہ سورۃ الاعراف: ۱۴۲ کے مطابق، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور کی طرف جانے سے پہلے اُنہیں تین حکم دیئے تھے۔ یہ تین کام اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں یہ تھے: وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ O

ترجمہ: اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا میری اُمّت میں میرے نائب (کی حیثیت) سے رہو اور اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کی راہ پر نہ چلنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اِس سوال کے ذریعے اِنہیں ہدایات پر عمل کرنے کے بارے میں پوچھ رہے تھے نہ کہ شرک کے متعلق۔ اگر حضرت ہارون علیہ السلام نے شرک کا اِرتکاب کیا ہوتا تو آپ علیہ السلام 'أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي' نہ فرماتے بلکہ 'أَفَعَصَيْتَ أَمْرَ اللهِ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے پہلے شرک سے منع فرما دیا تھا۔ یقین نہ آئے تو معترض عیسائی اپنی بائبل، خروج ۲۰: ۳۔ ۵ کو دیکھ لے جس میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور اس کی انواع سے منع کیا تھا جبکہ بچھڑا بنانے اور اسے پوجنے کا یہ واقعہ بارہ ابواب کے بعد خروج، باب ۳۲ میں مذکور ہے۔ یہ وضاحت ثابت کرتی ہے کہ معترض کا سورۃ طٰہٰ: ۹۲ یا ۹۳ کو اثباتِ شرک کے لیے پیش کرنا درست نہیں۔ یہ آیات اثباتِ شرک کی نہیں بلکہ نفیٔ شرک کی دلیل ہے۔

نفیٔ شرک کی پانچویں دلیل:

عیسائی معترض نے حضرت ہارون علیہ السلام کا شرک ثابت کرنے کے لیے سورۃ الاعراف: ۱۵۱ کا حوالہ دیا ہے۔ اس آیت کے متعلق ہم چند سطور کے بعد اپنا حاصلِ پیش کریں گے۔ اس سے پہلے اسی مُحوّلہ بالا آیت کی ماقبل آیت یعنی سورۃ الاعراف: ۱۵۰ میں دو صریح دلیلیں ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کو شرک سے پاک ثابت کرتی ہیں۔ پہلی دلیل کے الفاظ: قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ز فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ'' ہیں حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کی اے میری ماں کے

بیٹے بے شک ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور وہ قریب تھے کہ مجھے قتل کر دیں۔ آیت کے اس حصے کو اُس کے سیاق میں اوپر ''۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضب ناک ہونا'' کے عنوان کے نیچے بھی ذکر کر آئے ہیں۔ کیا اِن الفاظ سے یہ واضح نہیں ہے کہ اگر حضرت ہارون علیہ السلام بھی قوم کے ساتھ شریکِ گناہ ہوتے تو وہ نہ تو آپ کو بے بس کرتے اور نہ ہی قتل کے درپے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے شرک کے معاملے میں اسرائیلیوں کی شدید مخالفت کی تھی اور اُنہیں راہِ راست پر رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن ظالم قوم نے آپ کی نصیحت پر کان دھرنے کی بجائے آپ کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا۔ وہ آپ کی فرمانبرداری کی بجائے، دُشمنی پر اُتر آئے تھے۔

نفیٔ شرک کی چھٹی دلیل:

نفیٔ شرک پر ایک اور دلیل سورۃ الاعراف: ۱۵۰ کے الفاظ ''وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ'' ''اور مجھے (ان) ظالم لوگوں کے ساتھ (شامل) نہ کیجیے'' ہیں۔ اِن الفاظ سے حضرت ہارون علیہ السلام یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ میں شرک سے بَری ہوں اور میرا دامن اِس ظلم سے پاک ہے۔ اور آپ کا یہ اعلانِ برأت قبول بھی کر لیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں وضاحت ''حضرت ہارون علیہ السلام کے مؤقف کی قبولیت'' کے عنوان کے تحت ہو چکی ہے۔ یہ نتیجہ ذیل کی متصل سطور سے بآسانی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

دو باتوں کا باہم موازنہ:

یہاں پر بالخصوص دو باتوں کا باہم موازنہ اس مسئلے کی حقیقت کو بالکل عیاں کر دیتا ہے۔ ایک بات یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے دامنِ عصمت کو شرک سے پاک بتانے کے لیے کھلے اور صریح الفاظ استعمال کیے گئے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں دوسری بات یہ ہے کہ معترض کو قرآن کی کسی آیت میں بھی حضرت ہارون علیہ السلام کو مشرک ثابت کرنے کے لیے صریح اور واضح الفاظ نہیں ملے۔ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا بے دلیل استنباط اور بلا اَساس اِجتہاد ہے۔ اب اس بات کا موازنہ کیجیے کہ ایک طرف قرآن اللہ کے ایک نبی کا شرک سے پاک ہونا کھلے لفظوں میں بتا رہا ہے دوسری جانب قرآنی اسلوبِ بیان سے ناواقف عیسائی ہے جس کے پاس قرآن سے اس سلسلے میں ثبوتِ شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ وہ ایسی آیاتِ قرآنی کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں اسے فائدہ پہنچانے کے لیے کوئی لفظ نہیں پایا جاتا۔ ایسی صورت میں حق پر کون ہوگا؟ جواب صاف ظاہر ہے۔

ایک عقلی شُبہے کا اِزالہ

اگر کوئی یہ کہے کہ کسی بھی عدالت میں ایک شخص کا اعتراف جُرم تو قابلِ قبول ہوتا ہے لیکن اس کی

اپنے حق میں گواہی یا اپنے خلاف لگائے گئے الزام کو تسلیم نہ کرنا، قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ اس لیے اس اصول کے تحت حضرت ہارون علیہ السلام کا اپنے حق میں برأت عن الشرک بھی نا قابلِ قبول ہے۔ تو ہم عرض کریں گے کہ یہ بات کہی تو جا سکتی ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کا حق بھی ہوتا ہے۔ جب قرآنی آیات میں حضرت ہارون علیہ السلام کی صفائی پر دلالت کرنے والی صریح آیات ہیں اور ان کے مقابلے میں مدعی کے پاس صرف وہم وگمان اور بے دلیل دعوٰی ہو تو حضرت ہارون علیہ السلام کا اپنے حق میں شرک سے برأت کا اعلان کیوں قبول نہ کیا جائے؟ یہ بَرأت عن الشرک اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام نے تو قبول فرمائی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کو مشرکینِ قوم اور سامری کی طرح سزا نہیں ہوئی۔

سورۃ الاعراف: ۱۵۰ سے ایک شُبہ کا اِزالہ:

ممکن ہے کہ معترض کو اِسی آیت نمبر ۱۵۰ کے الفاظ ''وَأَخَذَ بِرَاسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ اِلَيْهِ'' کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے'' سے شُبہ لگا ہو اور اُس نے اِنہی الفاظ کو دلیلِ شرک سمجھا ہو۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تب بھی یہ اُس کی عدم فہمی کو ثابت کرتا ہے۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ایذاء دینے کے لیے نہیں تھا۔ علمائے علم الکلام میں علاّمہ سعدالدین مسعود بن عمر التفتازانی متوفی ۷۹۱ھ کا نام بہت معروف ہے۔ انہوں نے اسی طرح کے شبہ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

''والأخذ برأس هارون وجره اليه لم يكن علىٰ سبيل الايذاء بل كان يدنيه الىٰ نفسه ليتفحص منه حقيقة الحال فخاف هارون ان يحمله بنوا اسرائيل علىٰ الايذاء و يفضى الىٰ شماتة الاعدآء فلم يثبت بذلك ذنب له ولا لهٰرون فانه كان ينهاهم عن عبادة العجل'' ۱۹

یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کو اپنے قریب کرنا انہیں ایذاء پہنچانے کے لیے نہیں تھا بلکہ حضرت موسیٰ انہیں اپنے قریب کر رہے تھے تاکہ ان سے حقیقت حال اچھی طرح معلوم کر سکیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو خوف ہوا کہ اسرائیلی اسے کہیں ایذاء پر محمول نہ کرلیں جس سے انہیں آپ پر ہنسنے کا موقع ملے۔ اس سے نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور نہ حضرت ہارون علیہ السلام کا کوئی گناہ ثابت ہوتا ہے۔ بلاشُبہ حضرت ہارون علیہ السلام تو انہیں بچھڑے کی عبادت سے منع کر رہے تھے۔

نفیِ شرک کی ساتویں دلیل:

اب آئیے اُس دوسری آیت یعنی سورۃ الاعراف: ۱۵۱ کی طرف جسے عیسائی معترض نے اپنے موقف کے ثبوت کے لیے پیش کیا تھا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا ہے لیکن اس دُعا میں بھی کوئی ایسا

لفظ موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے شرک کا اِرتکاب کیا تھا اور آپ نے اِسی کی مغفرت کا سوال اللہ تعالیٰ سے کیا۔ اگر ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ آیت کے لفظ ''رَبِّ اغْفِرْ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی غلطی، خطا یا گناہ تھا جس کی وجہ سے مغفرت طلب کی جارہی ہے۔ دیکھئے اس شبہ کا اِزالہ بھی انہی الفاظ میں موجود ہے۔ اگر اس لفظ سے حضرت ہارون علیہ السلام کا مرتکب شرک ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر نعوذ باللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی مشرک ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ مغفرت انہوں نے پہلے اپنے لیے طلب کی ہے اور بعد میں اپنے بھائی کے لیے، اس لیے کہ ''رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ'' کے الفاظ سے تو اس مفروضے کا یہی نتیجہ نکلے گا جو ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ مفسرینِ قرآن کے نزدیک ان الفاظ کے اصل معنی کیا ہیں؟

۱۔ حضرت علّامہ آلوسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ''(رب اغفر لی) ما فعلت بأخی قبل جلیة الحال، وحسنات الأبرار سیئات المقربین، (ولأخی) إن کان اتصف بما تعد ذنباً بالنسبة إلیه فی أمر أولئک الظالمین، وفی هذا الضم ترضیة له علیه السلام ورفع للشماتة عنه'' ۲۰

یعنی اے میرے رب صورت حال واضح ہونے سے پہلے جو کچھ میں نے اپنے بھائی سے کیا مجھے معاف فرما۔ (جو افعال اللہ کے مقرب لوگوں کے حق میں گناہ شمار ہوتے ہیں، نیک کاروں کے لیے نیکیوں کا درجہ رکھتے ہیں) اور میرے بھائی کو بھی بخش دے اگر اس میں وہ چیز ہو جو ان ظالموں کے معاملے میں اس کے حق میں گناہ شمار ہوسکتی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی دُعا میں بھائی کو شامل کرنے کا مقصد ان کے دل سے ملال کو دور کر کے راضی کرنا تھا اور یہ کہ دوسروں کو اُن پر انگلی اٹھانے یا ہنسنے کا موقع نہ ملے۔

۲۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے آیت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ: اے اللہ ہمیں بخش دے اگر ہم میں سے کسی سے کوئی اِفراط یا تفریط ہوگئی ہو۔ یہ دُعا آپ نے بھائی کو راضی کرنے اور شماتت رفع کرنے کے لیے فرمائی۔ ۲۱

۳۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ ''غصہ کی حالت میں اپنے بھائی پر جو میں نے سختی کی ہے وہ بھی معاف فرما دے اور اگر میرے بھائی سے ادائے فرض میں کوئی تقصیر ہوگئی ہے تو وہ بھی بخش دے'' ۲۲

معلوم ہوا کہ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۱ بھی معترض کو اثباتِ دعوٰی کے لیے مفید نہیں ہے۔ بلکہ اس سے تو حضرت ہارون علیہ السلام کا شرک سے بَری ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نفیٔ شرک کی آٹھویں دلیل:

حضرت ہارون علیہ السلام نے شرک کا اِرتکاب نہیں کیا تھا۔ اس کی ایک اور دلیل ہمیں مشرکین کو ملنے والی سزا سے ملتی ہے۔ سورۃ البقرۃ: ۵۴ میں ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِ كُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی اُمت سے فرمایا: اے میری اُمت بے شک تم نے بچھڑا (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا پس توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف تو (آپس میں) اپنی جانوں کو قتل کرو۔

اس حکم الٰہی کے آنے پر لوگوں کو اپنے قریبی رشتہ داروں کو قتل کرنا پڑا اور ایک دن میں ستر ہزار اسرائیلی مارے گئے ۲۳۔ یہی سزائے قتل بائبل میں بھی مذکور ہے:

''تو موسیٰ نے لشکر گاہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر کہا کہ جو جو خُداوند کی طرف ہے وہ میرے پاس آ جائے۔ تب سب بنی لاوی اُس کے پاس جمع ہو گئے۔ اور اس نے اُن سے کہا کہ خُداوند اِسرائیل کا خُدا یُوں فرماتا ہے کہ تُم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو۔ اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا۔ چنانچہ اُس دِن لوگوں میں سے قریباً تین ہزار مرد کھیت آئے'' ۲۴

قصے کی تفصیل کو نظر انداز کر دیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید اور بائبل اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو شرک پر قتل کی سزا ہوئی تھی اور انہوں نے اس پر عمل بھی کیا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی شرک کیا ہوتا جیسا کہ معترض قرآن سے ثابت کرنا چاہتا ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں بھی حُکم الٰہی کے مطابق قتل کر دیتے۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل نہیں کیا تھا۔ ثابت یہ ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے شرک نہیں کیا تھا لہٰذا اُن کے بارے میں شرک کا عقیدہ ثابت کر کے قرآنی آیات میں تضاد بتانا بے بنیاد اور بلا دلیل ہے۔

بائبل کی عبارت کے متعلق ایک سوال:

البتہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے بیان کی مخالفت کرتے ہوئے بائبل کھلے لفظوں میں تہمت لگاتی ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اسرائیلیوں کے لڑکے، لڑکیوں اور ان کی بیویوں کے کانوں کی بالیاں اتروا کر سونے کا بچھڑا ضرور بنایا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی صاف الفاظ میں حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ''اِن لوگوں نے تیرے ساتھ کیا کیا تھا جو تُو نے اِن کو اتنے بڑے گناہ میں پھنسا دیا؟'' ۲۵

بائبل کے اِن صریح الفاظ سے حضرت ہارون علیہ السلام کا مشرک ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا کہ "تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو۔"[۲۶] تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کیوں نہیں کیا؟ بنی لاوی نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے پہنچنے والے حکم الٰہی کے مطابق عمل کیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اس فرمانِ الٰہی پر عمل کس لیے نہ کیا؟ حضرت ہارون علیہ السلام پر بائبل تحریف کی وجہ سے شرک کا بہتان باندھتی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرمانِ الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اپنے بھائی کو قتل کر دیتے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عیسائی اور یہودی حضرت ہارون علیہ السلام کو کس طرح شرک سے بَری کرتے ہیں؟

خلاصہ بحث:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے شرک سے توبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور سے واپس آجانے کے بعد کی تھی قرآن مجید نے اپنے خاص اسلوبِ بیان اور مقصد کے مطابق سورۃ الاعراف: ۱۴۸۔ ۱۵۰ میں اُن کی توبہ کو مقدّم ذکر کیا ہے۔ کیونکہ قرآن تاریخ عالم کی کوئی کتاب نہیں کہ واقعات اور قصص میں تقدیم و تاخیر کا لحاظ رکھے اس لیے اس کی آیات میں تضاد بتانا قرآن کے مزاج اور مقاصد سے عدم واقفیت کا ثبوت ہے۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید تمام انبیاء کی عصمت کا درس دیتا ہے اسی لیے پیش کی گئی آیات میں حضرت ہارون علیہ السلام کا شرک نہیں بلکہ عدمِ شرک ثابت ہوتا ہے۔ جب شرک ثابت نہ ہوا تو تضاد کا دعویٰ بھی غلط ٹھہرا۔ مذہبی تعصب اور عدم فہمی کی وجہ سے تو ایسی بے بنیاد باتیں بنائی جا سکتی ہیں لیکن انہیں معقول دلائل سے ثابت کرنا ممکن نہیں۔

حواشی اور حوالہ جات

نوٹ: اِس تحریر میں قرآن مجید کی آیات کا اردو ترجمہ غزالیٔ زماں حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ القرآن "البیان"، (کاظمی پبلی کیشنز، کچہری روڈ، مُلتان، ایڈیشن دوم، ۱۹۹۸ء) سے پیش کیا ہے۔

۱۔ اس سلسلے کی اہم مثالیں قرآن کے خلاف وہ جامع مضامین ہیں جو مختلف انسائکلو پیڈیاز میں شامل ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو

ا۔ انسائکلو پیڈیا آف اسلام (Encyclopedia of Islam, Leiden: E. J. Brill, 1986) کی جلد ۵، ص ۴۳۲-۴۰۰ میں لفظ (AL-KURAN) تحت ۳۲ صفحات پر محیط ہے۔ ڈی.

پئرسن (J.D. Pearson) کا مبسوط مقالہ

ب۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس (Encyclopedia of Religion and Ethics, Edinbrough: T.&T.Clark, Latest Impression 1980) کی جلد ۸، ص ۸۷۶۔۸۷۳؛ جلد ۹، ص ۴۸۳۔۴۸۱ اور جلد ۱۰، ص ۵۴۴۔۵۳۸ وغیرہ

ج۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن (Encyclopedia of Religion) جلد ۱۲، ص ۱۷۶۔ ۱۵۶ پر چارلس جے ایڈم کا لفظ (Quran) کے تحت مقالہ

۲ مثلاً ملاحظہ ہو

ا۔ ولیم منگمری واٹ کی کتاب (Bell's Introduction To The Qur'an, Edinbrough: Edinbrough University Press, 1990)

ب۔ انڈریو رپن کی کتاب (Approaches to the History of the Interpretation of the Qur'an, Oxford: Clarendon Press 1988

ج۔ جان وانسبر و کی کتاب (Qur'anic Studies: Sources and Methods of Scriptural Interpretaion, Oxford University Press, 1977) وغیرہ

۳ بین الاقوامی تبلیغی مشن کی ترقی کے دو محققین ڈیوڈ اور ٹاڈ (David B. Barrett & Todd M. Johnson) نے بیسویں اور اکیسویں صدی کے تناظر میں سن ۲۰۰۲ء کے لیے وسائل تبلیغ سے متعلقہ اعداد وشمار مرتب کیے ہیں۔ اِن دونوں کا تعلق امریکہ کی ریاست ورجینیا (Virginia) سے ہے۔ ڈیوڈ صاحب یونائیٹڈ بائبل سوسائٹیز کے ریسرچ ایڈوائزر اور ورجینیا کی ریجنٹ (Regent) یونیورسٹی میں ریسرچ پروفیسر ہیں جبکہ ٹاڈ صاحب ریاست ورجینیا کے شہر (Richmond) میں مرکزِ تحقیق برائے عالمی تبلیغ (World Evangelization Research Center) کے ڈائریکٹر اور Trinity (Evangelical Divinity School) میں پروفیسر ہیں۔ اِن کے مرتب کردہ اعداد وشمار تک رسائی کے لیے یہاں چار مصادر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ ان چار میں سے دو انٹرنیٹ کی ویب سائٹس اور دو میگزین جن میں ایک ماہنامہ اور دوسرا سہ ماہی ہے۔ ملاحظہ کیجیے

1.www.gem-werc.org/wct-10-2.pdf

2.Global Evangelization Movement

3.International Bulletin of Missionary Research, January 2000, p.23.

4.Mission Today, July-September 2000, p.403-406.

۴ ان ہی پچاس تضادات میں سے پندرہویں کا مفصل جواب ماہنامہ السعید ملتان کے شماروں جون ۲۰۰۱ تا جنوری ۲۰۰۲ء میں اور ماہنامہ زمزم بہاولپور میں قسط وار جبکہ ماہنامہ عرفات لاہور کے شمارہ اپریل ۲۰۰۱ء

میں بلا اقساط شائع ہو چکا ہے۔

۵ دیکھئے القرآن: سورۃ البقرۃ: ۴۹؛ سورۃ الاعراف: ۱۲۷، ۱۴۱ اور سورۃ ابراہیم: ۶؛ بائبل: خروج ۱: ۸۔۲۲ وغیرہ

۶ مختلف عیسائی فرقوں کی بائبلوں خاص طور پر پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی بائبل 'کتاب مقدس' (مطبوعہ: بائبل سوسائٹی، انار کلی، لاہور) اور کیتھولک عیسائیوں کی بائبل 'کلام مقدس' (مطبوعہ: ابلاغیاتِ مقدس پولوس، بار ہشتم، ۱۹۹۹ء)، کی کتابِ خروج میں کئی اختلافات ہیں۔ مثلاً درج ذیل خط کشیدہ عبارات ملاحظہ ہوں:

ا۔ (خروج ۸: ۱۶) ... ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی بڑھا کر زمین کر گرد کو مارتا کہ وہ تمام مُلکِ مصر میں جُوئیں بن جائے۔ (کتابِ مقدس، ص۶۰)

... ہارون سے کہہ کہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور زمین کی گرد کو مارے تو وہ تمام زمینِ مصر میں مچّھر بن جائیگی۔ (کلامِ مقدس، ص۴۷)

ب۔ (خروج ۸: ۲۱) ... مَیں تجھ پر اور تیرے نوکروں اور رعیت پر اور تیرے گھروں میں مچّھروں کے غول کے غول بھیجوں گا... (کتابِ مقدس، ص۶۰)

... مَیں تجھ پر اور تیرے درباریوں پر اور تیری رعایا پر اور تیرے گھروں پر مکھیوں کے غول بھیجوں گا... (کلامِ مقدس، ص۴۷)

ج۔ (خروج ۱۷: ۱۵۔۱۶) ... اور اُس کا نام یہوواہ نِسّی رکھا۔ اور اُس نے کہا خُداوند نے قسم کھائی ہے۔ سو خُداوند عمالیقیوں سے نسل در نسل جنگ کرتا رہے گا۔ (کتابِ مقدس، ص۷۰)

... اور اُس کا نام یہوہ نِسّی رکھا۔ اور کہا کہ تختِ خُدا کی طرف ہاتھ بُلند! خُداوند کی جنگ عمالیق سے پُشت در پُشت۔ (کلامِ مقدس، ص۸۶)

د۔ (خروج ۳۱: ۱۷) ... چھ دِن میں خُداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کرکے تازہ دم ہُوا۔ (کتابِ مقدس، ص۸۴)

... کیونکہ چھ دِن میں خُداوند نے آسمان اور زمین بنائے اور ساتویں دِن آرام کرکے سَبَت کیا۔ (کلامِ مقدس، ص۱۰۴)

۷ پیر محمد کرم شاہ علیہ الرحمۃ، ضیاء القرآن، (ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، محرم الحرام ۱۳۹۹ھ)، ج۳، ص۱۲۶۔

۸ دیکھئے: القرآن، سورۃ الاعراف: ۱۴۲؛ بائبل، خروج ۲۴: ۱۲۔

۹ سامری کا نام قرآن مجید میں صرف تین بار یعنی سورۃ طٰہٰ: ۸۵، ۸۷ اور ۹۵ میں آیا ہے۔ اُس کے متعلق پیر محمد کرم شاہ علیہ الرحمۃ نے بڑی خُوبصورتی سے مفید معلومات ایک جگہ جمع کر دی ہیں۔ دیکھئے: ضیاء القرآن ج۳، ص۱۳۰۔۱۳۲۔

۱۰ دیکھئے: القرآن، سورۃ البقرۃ: ۵۱، ۵۴، ۹۲، ۹۳؛ سورۃ النساء: ۱۵۳؛ سورۃ الاعراف: ۱۴۸، ۱۵۲؛ اور

سورۃ طہٰ:۸۸۔
۱۱ ضیاء القرآن، ج۳، ص۱۳۳۔

(12) Allama Muhammad Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, (Ed. by M. Saeed Sheikh), (Istitute of Islamic Culture 2-Club Road Lahore, 3rd. Edition 1996), p. 65.

۱۳ علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، (تحقیق و اُردو ترجمہ: سید نذیر نیازی)، (بزمِ اقبال۔ کلب روڈ لاہور، طبع سوم ۱۹۸۶ء)، ص۱۲۲۔۱۲۳

۱۴ امام ابوسعود محمد بن محمد العمادی، تفسیر أبی سعود، (داراحیاء التراث العربی بیروت، طبعۃ ۴، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء)، ج۳، ص۲۸۳۔۲۸۴؛ مزید دیکھئے: محمد بن علی محمد الشوکانی، تفسیر فتح القدیر، (عالم الکتب)، ج ۲، ص۲۴۸؛ سید محمود الآلوسی، روح المعانی، (دار الفکر ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء)، ج۶، جزء۹، ص۹۷

۱۵ مولینا عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، (تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی)، ص ۳۵۸، حاشیہ۲۰۱۔)

(16) Abdullah Yusuf Ali, *The Holy Quran, Translation and Commentary*, (Da'wah Academy Islamabad, Pakistan), Note No. 1112, p. 287.

۱۷ روح المعانی، ج۹، جزء۱۳، ص۳۶۶۔

۱۸ حضرت صدرالافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی، تفسیر خزائن العرفان، (ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، سن ندارد)، سورۃ طہٰ:۹۳، حاشیہ۱۳۸۔

۱۹ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی، شرح المقاصد فی علم الکلام، (دار المعارف النعمانیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ۔۱۹۸۱ء)، ج۲، ص۱۹۶۔

۲۰ روح المعانی، ج۶، جزء۹، ص۱۰۱۔

۲۱ خزائن العرفان، سورۃ طہٰ:۱۵۱، حاشیہ۲۸۶۔

۲۲ پیر محمد کرم شاہ علیہ الرحمۃ، ضیاء القرآن، (ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۰۲ھ)، ج۲، ص۸۷، حاشیہ۱۹۴

۲۳ خزائن العرفان، (قدرت اللہ کمپنی، لاہور۱۹۹۹ء)، سورۃ البقرۃ:۵۲، حاشیہ نمبر۳، ص۸۰۱۔

۲۴ کتاب مقدس، خروج ۳۲:۲۶۔۲۸۔

۲۵ دیکھئے: کتاب مقدس، خروج ۳۲:۲۔۲۲۔

۲۶ کتاب مقدس، خروج ۳۲:۲۷۔

☆☆☆☆☆☆

انٹرنیٹ پر سُنّی رابطے SUNNI LINKS ON INTERNET

http:// www.sarkaremadina.com
http://www.nooremadinah.net/
http://www.ahle-sunnat.org.uk/
http://www.raza.co.za
http://www.trueteachings.com
http://www.barkati.net/
http://www.ahlesunnah.org
http://www.dawateislami.net
http://www.ahlesunnat.net
http://www.noori.org
http://www.madinamosque.com
http://www.islamicacademy.org
http://www.imamnoorani.com
http://www.haqaonline.com
http://www.yanabi.com
http://www.islaam.has.it
http://www.alahazrat.net
http://www.zikar.net
http://www.tayyab.com
http://www.faizaneislam.org
http://www.ala-hazrat.org
http://www.islam.co.za
http://www.attari.net
http://www.okarvi.net
http://www.trueteacher.net
http://www.faizanemadina.com
http://www.muslim-canada.org/sitedex.htm
http://www.fikreraza.net
http://www.naatsharif.com
http://www.sunnah.org
http://www.islam-guide.com
http://www.owaisqadri.net

R.N.I. REGISTRATION NO. : 71248/99

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاد رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہوگا۔

بشکریہ جنا خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش:۔ محمد احمد ترازی